(سفرنامہ)

عمر خیام کے دیس میں

بلقیس ریاض

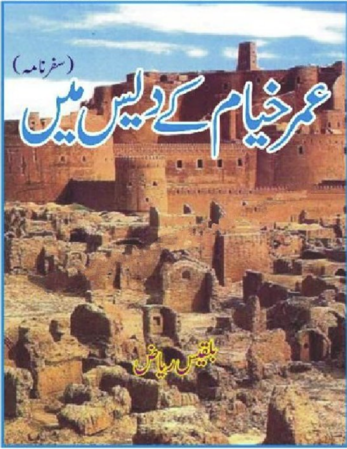

عمر خیام کے دیس میں

(سفرنامہ)

بلقیس ریاض

عمر خیام کے دیس میں

میں اسلام آباد کسی ضروری کام کے لیے جا رہی تھی کہ میرے میاں کمرے میں داخل ہوئے اور کہنے لگے۔

''پی آئی اے کی جانب سے دعوت نامہ ملا ہے۔۔۔۔۔۔۔ایران جانے کی تیاری کرو۔''

''اچھا۔''میں نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔پی آئی اے کی افتتاحی پرواز ٹھیک دو دن کے بعد مشہد جانے والی ہے۔۔۔۔۔۔۔ وقت ضائع نہ کرو۔

''مگر میں تو اسلام آباد جا رہی تھی۔''

''کوئی بات نہیں ویزا اسلام آباد سے ہی لگوا لیں گے۔''

ریاض کی بات سن کر میں سوچنے لگی کہ حضرت امام موسیٰ الرضا کا روضہ مبارک دیکھنے اور حاضری دینے کی تمنا تو دل میں ہمیشہ سے تھی۔۔۔۔۔۔۔مگر یوں آناً فاناً تمنا پوری ہو جائے گی یہ کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

ہمیشہ کی طرح میرے میاں حکم صادر کر کے سٹڈی میں چلے گئے اور میں تیاری میں مصروف ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔زندگی میں جتنے بھی سفر کئے ہیں وہ اچانک ہی ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔کل تک تو خبر ہی نہیں تھی کہ ہم مشہد جانے والے ہیں۔

اسلام آباد میں میرے میاں پورا ایک دن مصروف رہے دوسرے دن ایران کا ویزہ بخوبی لگ گیا۔

اس کے اگلے دن شام کے وقت ہم کراچی پہنچ گئے۔۔۔۔۔۔۔مڈوے ہوٹل میں ہمارا قیام ہوا۔۔۔۔۔۔۔صبح سات بجے کراچی سے کوئٹہ اور ٹھیک ایک بجے کے بعد کوئٹہ سے مشہد روانہ ہونا تھا۔

میں جہاز میں کوئٹہ جانے کے لیے بیٹھی ہی تھی کہ میرے قریب ایک مسکراتا ہوا چہرہ آ گیا۔

''میں یہاں آپ کے پاس بیٹھ سکتی ہوں۔''

''ضرور''

وہ خاتون اتنی بااخلاق تھی کہ گھنٹے سوا گھنٹے کے سفر کا پتہ بھی نہ چلا اور ہم کوئٹہ پہنچ گئے اور ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد جہاز مشہد جانے والا تھا۔

اس خاتون کا نام ناہید تھا وہ اس وفد میں اکیلے سفر کر رہی تھی۔

مصروفیت کی بنا پر اس کا شوہر ساتھ نہ آسکا تھا۔۔۔۔۔۔۔میرا ساتھ پا کر وہ بے انتہا خوش تھی۔

کوئٹہ کے ایئرپورٹ کے ملحقہ لان میں خوبصورت شامیانے لگے تھے۔ تمام مہمانوں کو رخصت کرنے کے لیے مینجنگ ڈائریکٹر پی آئی اے نواز ٹوانہ اور چیف منسٹر بلوچستان تاج محمد جمالی بنفس نفیس موجود تھے۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو نہایت ہی احسن طریقے سے اس وفد میں نمائندگی دی گئی تھی۔ کیونکہ پرواز کوئٹہ سے تھی بال آخر بلوچستان کے معزز صحافی اور بلوچستان کے وزرا بھی موجود تھے۔

ٹریول ایجنٹ صاحبان کو بھی نمائندگی دی گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔پنجاب کے وزیر بھی شریک کارواں تھے۔ ایئر وائس مارشل شربت علی چنگیزی بھی اس میں شریک تھے۔

سامنے نظر پڑی تو طالب جوہری جو ٹی وی پر قرآن پاک کا درس دیا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔نظر آئے۔

اتنے منظم طریقے سے مہمانوں کی آؤ بھگت ہو رہی تھی کہ میں نے اپنے ساتھ والی خاتون سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

''کہ مینجنگ ڈائریکٹر کون ہے اور کہاں ہے۔''

اس خاتون نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''مینجنگ ڈائریکٹر وہ ہے۔''

نیلے بلیزر میں ملبوس بجلی کی سرعت سے حرکت کرتا ہوا وہ دکھائی دیا۔۔۔۔۔۔۔میں حیران رہ گئی کیونکہ میں سوچ رہی تھی کہ مینجنگ ڈائریکٹر کوئی بوڑھا شخص ہوگا۔۔۔۔۔۔۔جس نے خضاب یا سر میں مہندی لگائی ہوگی' مگر نتیجہ الٹ نکلا' وہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرداً فرداً ہر ایک کو مل کر اسے چیف منسٹر بلوچستان سے ملوا رہے تھے۔ میں مینجنگ ڈائریکٹر کو دل ہی دل میں داد دیئے بغیر نہ رہ سکی۔

اس کے بعد وہ تمام مہمانوں کو چائے پینے کے لیے شامیانے کی دوسری جانب لے جا رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔بینڈ کی دھنوں میں چائے کا لطف دوبالا ہو گیا تھا۔

چائے کے بعد مسافر مشہد جانے کے لیے جہاز میں بیٹھ گئے۔۔۔۔۔۔۔کئی کیمرہ مین اور فوٹوگرافر تصویریں لینے میں مشغول

نظر آئے۔۔۔۔۔۔۔جہاز پہلی مرتبہ مشہد جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔نئی جگہ دیکھنے کے لیے دل میں تجسس پیدا ہو رہا تھا۔

ناہید میرے قریب ہی بیٹھی تھی۔ حال ہی میں انڈونیشیا سے تبادلہ اسلام آباد میں ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔میاں فارن آفیسر تھے۔۔۔۔۔۔۔دنیا کے کونے کونے کی سیر کر چکی تھی۔ جہاز میں اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی کہ ساڑھے تین گھنٹے کے بعد ہم لوگ مشہد پہنچ جائیں گے۔

ناہید نے مجھ سے پوچھتے ہوئے کہا۔

''تم نے مشہد دیکھا ہے۔''

''نہیں۔۔۔۔۔۔۔میں پہلی مرتبہ جا رہی ہوں۔''

میں بھی پہلی مرتبہ جا رہی ہوں۔ میرے میاں اس قدر مصروف تھے مگر مجھے ایران دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ میں نے ان سے اجازت لے لی اور اللہ توکل چل پڑی مگر راستے میں تم جیسی ہم سفر مجھے مل گئی ہے۔ اب سفر بہت اچھا کٹے گا۔

''ناہید تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارا بہت خیال رکھوں گی۔''

میری بات سے اسے قدرے تسلی ہو گئی۔ میں پھر گویا ہوئی۔

''تم نے ہر ملک کی سیر کی ہے۔ انڈونیشیا کیسا ملک ہے۔''

میں بتا ہی نہیں سکتی کہ انڈونیشیا کس قدر خوب صورت جگہ ہے۔ اتنا صاف ستھرا کہ تم یورپ امریکہ کو بھول جاؤ۔ تقریباً ہر ملک میں میرے شوہر کی ڈیوٹی لگ چکی ہے۔ مگر انڈونیشیا کو میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ ابھی ہم باتیں ہی کر رہی تھیں۔ کہ میری نظر بائیں جانب کی سیٹوں پر پڑی مسز جمالی ہمیں دیکھ کر مسکراہٹ لبوں پر لے آئی تھیں۔ ہونٹوں پر مسکان تھی اور آنکھوں کے ذریعے ہم سے ہمکلام تھیں۔ میں حیران تھی کہ بعض آنکھیں باتیں بھی کر لیتی ہیں۔ وہ بھی اکیلے ہی سفر کر رہی تھیں بھائی اور بھابی کا ساتھ تھا میاں کو اپنے ملک ہی چھوڑ آئی تھیں۔ فرسٹ کلاس میں چند مسافر ہی نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ملک خدا بخش ٹوانہ بھی موجود تھے۔ وہ اگلی نشستوں پر بیٹھے کسی منسٹر کے ساتھ گفتگو میں محو تھے۔ جب سے جہاز چلا تھا وہ مسلسل باتوں میں مشغول دکھائی دے رہے تھے۔ ریاض کھڑکی کے شیشوں سے بنجر پہاڑوں کو دیکھ رہے تھے۔ اوپر آسمان اور نیچے بنجر پہاڑ۔ سبزہ دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں۔

''تم چادر لے کر آئی ہو۔''

ایک دم ناہید کی آواز سے میں چونک اٹھی۔

''چادر۔''

''ہاں بھئی ایران میں حجاب السلامی بہت ہے۔''

''چادریں ہیں تو سہی مگر۔۔۔۔۔۔۔ایرانی خواتین کی طرح لباس نہیں ہے۔''

''فکر کی بات نہیں میرے پاس دو تین ہیں۔کام بن جائے گا۔''

ناہید نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

''انقلاب کے بعد ہی ایران میں حجاب اسلامی آیا ہے۔ورنہ تہران کو ایک زمانہ میں پیرس کہا جاتا تھا۔''

تم سچ کہتی ہو۔اب تو وہاں پر بہت سخت پردہ ہے۔سارا جسم ان کا ڈھکا ہوا ملے گا۔کیا مجال ہے کہ ان کا ایک بال بھی نظر آئے۔''

''تم جو کھلے منہ کی جوتی پہن آئی ہو۔ایئر پورٹ پر چیکنگ ہوگی اور پاؤں میں موزے پہننے پڑیں گے۔''

میری اس بات سے ناہید گھبرا سی گئی۔

''لیکن موزے تو میں لے کر ہی نہیں آئی۔''

میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کوئی بات نہیں مجھ سے لے لینا۔''

میری اس بات سے ناہید کی جان میں جان آئی۔۔۔۔۔۔۔ہم دونوں باتیں کر رہی تھیں۔مسز جمالی کا نام نصرت تھا۔وہ مسلسل مسکراہٹیں بکھیر رہی تھیں وہ ہم دونوں کی جانب دیکھ کر بولیں۔

''لگتا ہے کہ آپ دونوں پہلی مرتبہ جا رہی ہیں۔''

''جی۔''

''چادریں اوڑھنی پڑیں گی۔ورنہ۔''

''ورنہ کیا ہوگا۔''

ناہید نے جلدی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''حجاب کے معاملے میں وہ بہت سخت ہیں۔۔۔۔۔۔۔کسی کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔'' گو ہم اپنے ملک میں بھی حجاب اسلامی کا خیال رکھتے ہیں۔مگر انجانے میں ہم دونوں کا ڈر کے مارے برا حال تھا۔

ڈرنے کی بات نہیں ہے۔چادریں اچھی طرح سے جسم پر ڈھانپ لیں تو وہ لوگ کچھ بھی نہیں کہیں گے۔''

میرے میاں دھیرے دھیرے مسکرا رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔ہمارا خوف وہراس ان کو پسند آ رہا تھا۔

آپ مسکرا رہے ہیں اور ہماری جان پر بنی ہے۔''

میری اس بات پر وہ مسلسل مسکراتے ہوئے بولے۔

''چلو کسی سے تو ڈریں آپ لوگ۔''

''اچھا۔۔۔۔۔۔۔اس بات سے مسکرا رہے ہیں۔''

''بالکل اس بات سے۔''

ریاض نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

ناہید نے ریاض سے کہا۔

ریاض بھائی اگر سلیم میرے ساتھ ہوتے تو انہوں نے بھی یہی کہنی تھی چلو اچھا ہوا۔۔۔۔۔۔۔آپ کے منہ یہ بات سن لی۔''

''میرا خیال ہے کہ میں ایران شفٹ ہو جاؤں۔بیگم صاحبہ ہر وقت ڈرتی تو رہیں گی۔''

''ابھی ایران دیکھا ہی نہیں اور شفٹ ہونے کی سوچنے لگے۔ہم تو پاکستان کبھی بھی نہ چھوڑیں۔''

''بلقیس ٹھیک کہہ رہی ہے۔''

ناہید نے میری بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

ریاض ایک بار پھر کھڑکی سے نیچے بنجر پہاڑوں کو دیکھنے لگے۔۔۔۔۔۔۔ایئر ہوسٹس کمال پھرتی سے خاطر مدارت میں مصروف تھی۔چائے' جوسز' فروٹ اور نہ جانے کیا کچھ کھلایا جاتا ہے۔فرسٹ کلاس میں بیٹھے لوگوں کی مت مار دیتے ہیں اگر ان کا بس چلے تو پیٹ کے ساتھ بھی کچھ باندھ دیں۔مگر کچھ لوگوں میں کھانے کا حوصلہ بھی بہت ہوتا ہے۔اگر کوک پیا ہے تو فوراً چائے مانگ لیں گے۔ یعنی سارا وقت کچھ نہ کچھ کھاتے رہنا ان کا مشغلہ ہے۔عملہ بے چارہ بھی کیا کرے۔کھلانے پر مجبور ہے۔

آہستہ آہستہ ساڑھے تین گھنٹے بھی گزر گئے۔جہاز میں اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی کہ وہ لینڈ کرنے والے ہیں۔۔۔۔۔۔۔خواتین نے اپنی چادریں ڈھونڈنی شروع کر دیں اور مرد حضرات بالوں میں کنگھیاں پھیر رہے تھے اور جن کو کنگھی میسر نہیں تھی تو اپنی انگلیوں سے بال درست کرنے لگے۔جیسے ایرانی عورتیں انہیں کی منتظر تھیں۔

مشہد کے ایئرپورٹ پر مسافروں کے استقبال کے لیے پی آئی اے کا عملہ موجود تھا‘ جس میں جنرل منیجر بمعہ اہلیہ کے سٹیشن منیجر اور پی آئی اے منیجر ظہیر صاحب اور ان کی اہلیہ صبیحہ اور کونسلیٹ ارشد اور ان کی اہلیہ نذیر بیگم بھی موجود تھیں۔

جنرل منیجر کی اہلیہ زہرہ ممتاز نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک کمرے میں لے جاتے ہوئے ہماری تواضع چیری‘ سٹیبر ی اور کھیروں سے کی گئی۔

مسافروں کا استقبال کرنے کے لیے مسز ممتاز اپنے شوہر کے ہمراہ کرچی سے آئی تھیں ناہید بار بار اپنی چادر درست کر رہی تھی تو میں مسز ممتاز سے گویا ہوئی۔

’’سنا ہے کہ یہاں پر پردہ بہت سخت ہے۔‘‘

’’حجاب اسلامی کا خیال کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو اجازت نہیں کہ کھلم کھلا بغیر پردے کے ہر ایک کے سامنے آئیں۔ صرف چہرہ ان کا ننگا ہوتا ہے ورنہ سر سے پاؤں تک وہ پردے میں ہوتی ہیں۔

لیکن میں اتنا ضرور کہوں گی کہ یہ لوگ بڑی ہی محبت کرنے والی قوم ہیں۔ ہر شعبے میں عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کرتی ہے۔ صفائی اس قدر ہے کہ کہیں بند نظر نہیں آئے گا۔

مسز ممتاز نے شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی اور سر پر سکاف باندھا ہوا تھا شکل صورت سے وہ ایرانی دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے قریب ہی صبیحہ اور نذیر بیگم اور پی آئی اے افسران کی بیگمات بیٹھی تھیں۔ مسز زہرہ ممتاز کو دیکھ کر میں نے پوچھا۔

’’آپ پاکستان دکھائی نہیں دیتیں۔‘‘

’’میں ایرانی ہوں۔۔۔۔۔۔۔ مگر ممتاز صاحب پاکستانی ہیں۔ دو بیٹے ہیں وہ سٹیٹ میں پڑھ رہے ہیں۔ ممتاز صاحب کا میں کافی ہاتھ بٹاتی ہوں۔‘‘

ناہید ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

’’وہ تو لگ ہی رہا ہے‘‘ مسز جمالی‘ مسز سعید فیض‘ مسز حاجی طالب‘ مسز نصرت علی شاہ ہماری ہمسفر بہنیں تھیں۔ ان کے قریب ہی بیٹھی تھیں اور بڑی دلچسپی سے ان خواتین کی باتیں سن رہی تھیں۔ مرد حضرات دوسری سمت پی آئی اے کے عملے کے ساتھ بیٹھے تھے۔

کولڈ ڈرنک اور فروٹ کھایا جا رہا تھا۔

صبیحہ ظہیر نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

’’آپ پہلی بار مشہد آئی ہیں۔‘‘

’’جی۔‘‘

’’آپ کو مشہد بہت اچھا لگے گا۔ مشہد تو پھر بڑا شہر مانا جاتا ہے اور یہاں کے چھوٹے چھوٹے گاؤں بہت اچھے ہیں اور بہت سی سہولتیں ہیں بجلی پانی اور ٹیلی فون بوتھ ہر جگہ نظر آئیں گے۔ انسان آسانی سے فون کر سکتا ہے۔ ہر محلے میں گل فروش دکانیں ملے گی۔ ان لوگوں کی بیکری اور تنور بھی اپنا ہی ہوتا ہے۔ سارے محلے والے گھر میں روٹیاں نہیں بناتے۔ لمبی لمبی روٹیاں تلوں والی اور سنگی روٹی جو خاص پتھروں پر بنتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ وہ بھی آسانی سے مل جاتی ہے نوکروں کا سسٹم یہاں پر بھی ختم ہو گیا ہے۔ جن کی استطاعت ہوتی ہے وہ نوکر رکھ لیتے ہیں۔ آپ حیران رہ جائیں گی کہ یہاں پر بے روزگار لوگ بڑے ہی کم نظر آئیں گے۔ یہاں پر عورتیں اور مرد مل کر کام کرتے ہیں۔ مہنگائی یہاں پر بھی ہو گئی ہے۔ بعض عورتیں قالین دھونے گھر گھر جاتی ہیں۔ محنت کو عیب نہیں سمجھا جاتا اور اگر بیوٹی پارلر کھولنا ہو تو بیوٹی پارلر کھولنے کے لیے حکومت سے اجازت لینی پڑتی ہے۔‘‘

میں حیرانگی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ایران میں رہنے والی خواتین کے تاثرات نوٹ کر رہی تھی۔

کونسلیٹ کی اہلیہ نذیر بیگم نے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا ’’میں پچھلے محرم سے یہاں ہوں۔ زندگی بڑی ہی پرسکون گزر رہی ہے۔ بچوں کے لیے یہاں پر بے شمار سہولتیں ہیں۔ گورنمنٹ کے سکول ہیں۔ بڑی توجہ اور لگن سے بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں گورنمنٹ کے سکولوں کا ابتر حال ہے۔۔۔۔۔۔۔ ہر علاقے میں پرائیویٹ سکول ملے گا۔۔۔۔۔۔۔ پیسہ بنانے کا بہترین طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔ ایران میں پرائیویٹ سکول کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر یہاں پر مہنگائی ہے تو سہولتیں بھی بے شمار ہیں۔ خالص چیزیں ملتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے ملک میں تو عورت تیس پینتیس سال میں ہی بوڑھی ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں پر ساٹھ سال کی عمر میں عورت جوان رہتی ہے۔ تمام خواتین بات چیت میں مصروف تھیں۔ ہمارے ٹھہرنے کا بندوبست ہماہوٹل میں کیا گیا جس کا نام پہلے (شیریٹن) تھا۔

تمام مسافروں کا سامان ان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ناہید اپنے کمرے میں جانے سے پہلے مجھ سے مخاطب تھی۔

بلقیس ابھی کھانا کھانے کے بعد ہم حضرت موسیٰ الرضا کے روضے پر حاضری دینے کے لیے جا رہے ہیں۔ تم اگر چاہو تو میرے ساتھ چلی چلو میں نے الگ بندوبست کیا ہے۔‘‘

’’الگ کیوں کیا ہے۔‘‘

یہاں کے کونسل جنرل نے دو گائیڈ مقرر کیے ہیں اور وہاں تک جانے کے لیے گاڑی بھی مہیا کی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ دونوں میرے ساتھ چلیں۔"

اچھا تم اگر اصرار کرتی ہو تو ہم دونوں تمہارے ساتھ چلے جائیں گے مقصد تو حاضری کا ہے۔"

ہاں اگر کرنسی تبدیل کروانی ہے وہ بھی آسانی سے سے تبدیل کروا دیں گے۔

اچھا اوپر جا کر میں فریش ہو کر نیچے آتی ہوں تو تب تک تم بھی پہنچ جاؤ۔ احتیاطاً کرنسی تبدیل کروا لیتی ہوں۔ شاپنگ کا ارادہ نہیں رکھتی۔

ناہید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

چلو تبدیل تو کروا لینا۔۔۔۔۔۔۔ جلدی سے تیار ہو کر نیچے آنا گورنر مشہد کی جانب سے لنچ دیا جا رہا ہے۔ نثار بلوچ صاحب نائب کونسل جنرل ہمیں ملنے کے لیے آ رہے ہیں۔

ناہید کی بات سن کر میں اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

صاف ستھرا کمرہ۔۔۔۔۔۔۔ سامنے میز پر نظر پڑی تو پھل کی ٹوکری رکھی ہوئی تھی۔ جس میں سٹبیری' چیریز اور سیب اور خوبانیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ننھا سا کارڈ اس کے اوپر چسپاں تھا جس پر لکھا تھا۔ (مشہد ایئرپورٹ حکام)

بیڈ کے دائیں طرف۔۔۔۔۔۔۔ کے پردے کو ہٹایا ہی تھا کہ کھڑکی کے شیشے سے سارا مشہد نظر آ رہا تھا۔ دور بہت دور حد نگاہ تک سارا شہر اجلا اجلا اور روشن دکھائی دے رہا تھا اور خاص طور پر جو نمایاں چیز تھی وہ موسیٰ الرضا کا گنبد تھا۔ جو دھوپ میں جگمگا رہا تھا۔ نیچے جانے کی جلدی تھی۔ جلدی سے پردے کو پھر سے برابر کیا۔ حجاب اسلامی کا خیال دامن گیر تھا۔ یہ نظارہ ادھورا ہی رہ گیا تھا اور میں باتھ روم میں گھس کر تیار ہونے لگی تھی۔

میں ہاتھ منہ دھو کر تازہ دم ہو کر نیچے آئی تو ناہید پہلے سے ہی موجود تھی۔ ایک جوڑا اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ میری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ دونوں ہمارے ساتھ جائیں گے۔''

میں نے اس جوڑے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ پاکستانی ہیں۔''

''جی میں تو پاکستانی ہوں مگر میری بیوی ایرانی ہے۔''

''اچھا۔''

میں نے تعجب سے دوبارہ ان کی جانب دیکھا اور کہا۔

''حالانکہ آپ ایرانی دکھائی دے رہے ہیں اور یہ محترمہ پاکستانی لگ رہی ہیں''

وہ اردو میں جواب دیتے ہوئے بولی۔

''میں ان کے ساتھ پاکستان رہ چکی ہوں۔۔۔۔۔۔۔ میرے میاں یہاں پر روزگار کے چکر میں آئے تھے اور مجھ سے شادی کر بیٹھے۔۔۔۔۔۔۔ روزگار بھی مل گیا اور مجھے اچھا شوہر بھی۔''

''تو آپ مطمئن ہیں۔''

میں بہت ہی مطمئن ہوں۔ بتا نہیں سکتا کہ میری بیوی کتنی وفادار ہے۔ سارا گھر کا کام کاج کرنے کے علاوہ میرا دفتر کام بھی کرتی ہے اور جو سیاح پاکستان سے آتے ہیں ان کو سیر و تفریح بھی کراتی ہے۔''

''تم پاکستان میں خوش تھیں۔''

میں واقعی وہاں پر بہت خوش تھی۔۔۔۔۔۔۔ مگر ہمارے پاکستانی انصاف پسند نہیں ہیں۔ میں بہت بڑے کنبے میں رہتی تھی۔ دیورانیاں اور جٹھانیاں بھی تھیں۔ سب کی سب کام چور مجھے ایرانی عورت سمجھ کر یہ توقع کرتی تھیں کہ گھر کا سارا کام میں خود کروں۔ میں بتا نہیں سکتی کہ ایک مشین کی مانند میں اس گھر میں کام کرتی تھی مگر مجھ سے کوئی خوش نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ میں سب میں بہت خوشی محسوس کرتی تھی۔ جب وہ لوگ زیادہ تنگ کرنے لگے تو میں واپس اپنے وطن آ گئی۔ میرے شوہر پاکستان رہنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ یہاں سے اپنی نوکری سے برخاست ہو چکے تھے۔ میں نے انہیں ساتھ چلنے کے لیے کہا تو انہوں نے جواب دیا۔

وہ نوکری سے جواب دے چکے ہیں اور نئے سرے سے نوکری ملنی بڑی مشکل ہے۔ ہاں آخر میں یہاں پر روزگار تلاش کر کے تمہیں بلوا لوں گا اور جب علیحدہ گھر لے لوں گا تو تم چلی آنا۔

میں دل برداشتہ ہو کر ایران آ گئی۔۔۔۔۔۔۔ میرے میاں نے بڑی کوشش کی کہ پاکستان میں کوئی ملازمت مل جائے مگر کامیابی نہ ہو سکی۔

میں نے اس کے شوہر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ ایران دوبارہ کیسے آئے۔''

''بہن یہ بھی ایک بہت بڑی کرامت ہی ہے۔ میں جب دل برداشتہ ہو گیا تو میں نے امام الرضا کو دل ہی دل میں پکارا اور کہا کہ آپ کے شہر سے مجھے دیس نکالا مل چکا ہے۔ میں بے یار و مددگار ہوں۔ یہاں پر بھی کوئی ذریعہ نہیں آپ مجھے ایران میں واپس بلوا لیں۔ میں گڑگڑا کر دعا مانگتا رہا۔ میری بیوی نے اس محکمے میں جا کر دوبارہ درخواست پیش کی۔ تو نہ جانے امام موسیٰ الرضا کی کرامت تھی یا اللہ کی خاص عنایت کہ ایک دن مجھے خط موصول ہوا جس پر ایرانی حکومت نے مجھے واپس بلوا لیا تھا۔ میں اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ خوشی خوشی آن ملا۔ وہی رشتہ دار جو نوکروں جیسا سلوک کرتے تھے۔ مجھے بڑے پیار سے ایئرپورٹ چھوڑنے آئے اور دعائیں دیتے ہوئے مجھے رخصت کیا۔

ناہید نے اس کی رام کہانی سنتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔۔آپ لوگ ادھر ہی ٹھہریں۔۔۔۔۔۔۔کھانے کے فوراً بعد ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔

یہ کہتے ہوئے ناہید میرے ساتھ ڈائنگ ہال میں چلی گئی۔ جہاں پر مرد حضرات کا انتظام ایک طرف اور خواتین کا انتظام دوسری جانب تھا۔

یہ کھانا گورنر مشہد کی جانب سے دیا گیا تھا۔ اس وقت گورنر مشہد اس کھانے میں موجود تھے۔ بلکہ ایمبسی کے دوسرے ارکان بھی موجود تھے۔

خواتین چادریں اوڑھے میز کے گرد بیٹھی تھیں۔ سلاد اتنی فراوانی سے ایک بندے کے لیے رکھا تھا۔ جس کو اکیلے کھانا نہایت ہی مشکل تھا۔

اس کے بعد خمیرے تکوں والے بڑے بڑے نان اور پنیر ہمارے سامنے رکھا گیا۔ روٹیوں کو ہاتھ لگایا تو وہ ٹھنڈی برف تھیں۔

''اتنے ٹھنڈے نان۔''

میری بات سن کر برابر میں بیٹھی خاتون نے جواب دیا۔ یہاں پر جتنی بھی باسی روٹی ہو گی یہ لوگ اتنے ہی شوق سے کھائیں گے۔ سلاد پنیر اور روٹیاں خواتین نے کھانی شروع کر دیں۔ ٹھنڈی بوتلیں جب بیرے نے سامنے رکھیں تو خیال ہوا شاید یہ لوگ سلاد اور روٹی ہی کھاتے ہیں۔ سبھی نے ان چیزوں سے پیٹ بھرنا شروع کر دیا۔

مگر ہماری حیرت میں تو تب اضافہ ہوا کہ جب چادروں سے بھری پلیٹیں بمعہ چلوں کبابوں کے ہمارے سامنے چن دی گئی۔

''ارے ان سب کو کون کھائے گا۔''

مسز ممتاز نے ہنس کر جواب دیا۔

''ایرانی تو بڑے شوق سے سب کچھ کھا جاتے ہیں۔ گوشت سے ان کو بہت ہی رغبت ہے۔''

''مگر اس طرح تو بہت سارا اناج ضائع ہو جاتا ہو گا۔''

بالکل ضائع نہیں جاتا۔ وہ ایرانیوں کے حساب سے کھانا پیش کر رہے ہیں۔''

چاولوں کی بھری پلیٹوں سے نظر ہٹی تو میری نگاہیں ان ویٹروں کی جانب اٹھ گئیں جو پھرتی کے ساتھ مہمانوں کے آگے چاول چلوں کباب پیش کر رہے تھے۔ ہٹے کٹے چھ چھ فٹ کے ویٹر۔ شاید یہ کباب کھا کھا کر یہ لوگ اونچے لانبے تھے۔ سرخ و سپید۔ ان کی عورتیں بھی اونچی لمبی سرخ اور سفید تھیں۔ موٹی تازی' کھانے کی شوقین مگر ہمارے حلق سے وہ کھانا نہیں اتر رہا تھا۔ کتنا کوئی کھاتا ہم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''آپ نے کباب تو کھائے ہی نہیں'' ایرانی عورت نے حیرانگی سے پوچھا۔

''اتنے سارے کباب کھائے نہیں جاتے۔''

ہنس پڑی۔

مزے لے لے کر وہ چاول اور کباب کھا رہی تھیں۔ منٹوں میں ہی اپنی پلیٹ صاف کر چکی تھیں۔

کھانا کھانے کے بعد مہمان اپنے کمروں میں کچھ دیر کے لیے آرام کرنے کے لیے چلے گئے۔ کیونکہ ٹھیک چار بجے انہوں نے امام موسیٰ الرضا کے روضے پر حاضری دینی تھی۔

کمرے میں جانے کی بجائے ہم دونوں کافی شاپ کی جانب بڑھ گئے اس وقت بڑی سخت چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ چائے کا آڈر دیا تو تھوڑی دیر ہی ویٹر نے میز پر ایرانی چائے رکھ دی۔ ریاض بڑے شوق سے پینے لگے۔

مجھے بڑی کڑوی سی لگی تو ویٹر سے دودھ والی چائے مانگی اس نے میرے چہرے کی جانب حیرانگی سے دیکھا فارسی تو مجھے آتی نہیں تھی' ریاض بڑی اچھی فارسی بول لیتے ہیں انہوں نے فارسی میں پاکستانی چائے لانے کو کہا۔

وہ پھرتی سے دودھ دان اٹھا لایا اور میرے کپ میں دودھ ڈال دیا۔ میں نے گھونٹ بھرا تو نہایت ہی بدمزہ چائے تھی۔

''یہ تو فارسی بھی نہیں سمجھتے۔''

''اسی کو پی جاؤ۔''

''نہیں پی سکتی۔''

ویٹر کو دوبارہ بلایا بڑی سمجھانے کی کوشش کی۔ انگریزی زبان اردو زبان فارسی' نہ جانے کون کون سی زبان بولتے رہے مگر لاعلمی ظاہر کرتا رہا۔

ہوٹل کا منیجر قریب سے گزرا تو اس کو پاکستانی چائے کا کہا تو وہ ہماری بات سمجھ گیا۔

کچھ ہی منٹوں میں پاکستانی چائے ہمارے سامنے رکھی تھی۔ چائے کو دیکھ کر اپنا دیس یاد آ گیا۔ وہاں کی نعمتیں یاد آئیں۔ پھر خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ وہ جس حال میں بھی رکھے۔

چار بجے سے پہلے ہی ہم موسیٰ الرضا کے روضے پر حاضری دینے کے لیے گاڑی میں سوار ہو گئے۔ راستے میں ستھرے بارونق بازار فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ سفیدے کے درختوں کی قطاریں نظر آئیں۔ سڑکوں پر گہما گہمی تھی۔

شہر میں جو سب سے نمایاں چیز تھی وہ امام موسیٰ الرضا کا سنہری گنبد جس کی چمک دمک دھوپ کی وجہ سے اور بھی واضح ہو گئی تھی۔ شیعہ مسلمانوں کے نزدیک کربل کے بعد جس جگہ کا تقدس ہے وہ امام موسیٰ رضا کا روضہ ہے۔ ہمارے گائیڈ نے بتایا۔

امام رضا کی ولادت 770 میں ہوئی' کہا جاتا ہے کہ مامون الرشید کی خواہش تھی کہ شیعہ اور سنی اپنی پچھلی رنجشیں بھول کر ایک ہو جائیں۔ انہوں نے امام رضا کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ساتھ ہی اپنی بیٹی کا عقد بھی ان کے ساتھ کر دیا۔ بقول شیعہ تاریخ دانوں کے مامون الرشید نے امام رضا موسیٰ کو ایک دعوت دی۔ دسترخوان میں رکھے انگور کے دانوں میں زہر بھر دیا۔ امام رضا نے کھانے کے دوران انگور کو کھانے سے انکار کیا۔ مگر مامون الرشید نے بڑے پیار کے ساتھ وہ دانے ان کو پیش کئے۔ رضا اپنے دوست کے ہاتھوں سے وہ انگور کھا لیے انگور کھا کر وہ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے جاتے ہوئے موسیٰ رضا سے پوچھا۔

''کہاں جا رہے ہو رضا۔''

جہاں آپ نے بھیجنے کی کوشش کی ہے۔'' اب نہ جانے یہ بات کہاں تک درست ہے تاریخ دان ہی جانیں۔

روضہ کے اندر داخل ہوتے ہی صدر دروازے کے دونوں طرف تبرکات کی دکانیں ہیں۔ چاندی کے تعویذ' تسبی' ٹوپیاں' کیلنڈر

اور خاص چیزیں خاک پاک۔

شاہ عباس کا تعمیر کردہ روضہ۔۔۔۔۔۔۔اس کے بڑے سے دالان میں داخل ہوئے۔ جس کی تمام دیواریں اور چھت نیلے رنگ کی میناکاری سے مزین تھیں۔

روضہ اس قدر بقعہ نور تھا کہ آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ پیرس میں ورسائلز کے فانوس ابھی تک ذہن میں تاثر پیدا کیے ہوئے تھے۔ لیکن امام موسیٰ رضا کے روضے کی تمام چھت شیشے کی ہے اور اس پر لگے فانوس دیکھ کر حیرانگی ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔اتنی خوب صورتی اور کاریگری سے لگے تھے کہ عقل دنگ رہ گئی۔ پھول بوٹوں کے نقش ونگار دیکھنے والوں کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

روضہ مبارک کے چاروں طرف نہایت خوبصورت چاندی کا جال چاروں طرف لگا ہوا تھا اور روضہ مبارک کے کمرے اور دالانوں میں نہایت دیدہ زیب ٹائلیں لگی ہوئی ہیں جو کہ ملتان کی ٹائلوں سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن نفاست میں ملتان سے اعلیٰ ہیں اور اس کے علاوہ کمرے اور دالانوں میں قیمتی قالین اور فانوس دیکھے تو فرانس کا عجائب گھر ورسائلز بھول گیا۔ یوں لگتا تھا کہ بنانے والے نے اپنا خون جگر صرف کر کے عقیدت کے پھول بکھیرے ہیں۔ روضے کا سنہری گنبد اور خالص سونے کے منقش دروازے دیکھ کر عقیدت مندوں کی عقیدت یاد آ گئی۔ اور یہ کہنا بھی حق بجانب ہو گا کہ۔۔۔۔۔۔۔ہر دور کے حکمران نے حضرت امام علیہ السلام کے روضے کی زیبائش اور آرائش کے لیے کچھ نہ کچھ کیا ہے۔ آپ آٹھویں امام ہیں اور رسول کی اولاد میں سے ہیں۔ دن رات کوئی ایسا لمحہ نہیں جبکہ زاہرین کا انبوہ کثیر بلا تفریق کے مسلک۔ آنکھوں سے آنسو۔ لبوں پہ ان کا نام اور درود شریف پڑھتے ہوئے پایا جاتا ہے۔

وہاں پر انسان کی عجیب ہی کیفیت ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔جو لکھنے سے قاصر ہوں۔

کالے جبوں میں عورتیں عبادت میں مشغول نظر آئیں' کوئی نفل پڑھنے میں مصروف اور کئی خواتین روضہ کی جالی پکڑے آہ و بکا کرتی ہوئی پائی گئیں۔۔۔۔۔۔۔روضہ کے قریب جانے کو جی تو کر رہا تھا مگر عورتوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ آگے بڑھنے کی ہمت پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

''آپ روضہ کی جالی کو ضرور ہاتھ لگا کر آئیں'' ہماری گائیڈ نے اصرار کرتے ہوئے ہمیں ہجوم میں دھکیل دیا۔ پیچھے سے اس نے مضبوطی سے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ہجوم کے ریلے کو چیرتے ہوئے میں جالی تک پہنچ گئی اور دوسرے ہی لمحے میں نے جالی کو پکڑ لیا۔ عورتوں کا سیلاب بڑھتا ہی چلا آیا۔ میں نے واپسی کا سوچا۔ مگر اس قدر رش تھا کہ نکلنا مشکل ہو رہا تھا۔ خدا خدا کر کے اس ہجوم سے نکلی اور دور کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ ہماری گائیڈ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

’’آپ بہت خوش قسمت ہیں۔ میں ایران کی رہنے والی ہوں۔ مگر آج تک روضہ کی جالی کو ہاتھ لگانے کا شرف حاصل نہیں کر سکتی۔‘‘

’’واقعی۔‘‘

’’جی۔‘‘

’’توتم نے ہاتھ لگا لینا تھا۔‘‘

’’اگر میں لگا لیتی تو آپ نہ لگا پاتیں۔‘‘

’’کیوں۔‘‘

میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

’’اس لیے کہ میں نے پیچھے سے مضبوطی کے ساتھ آپ کو تھاما ہوا تھا خیر ہم تو یہاں ہی رہتے ہیں کبھی نہ کبھی ہاتھ لگا ہی لیں گے مگر آپ کی مجھے بہت ہی خوشی ہے۔‘‘

ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ ناہید ہمیں ڈھونڈتی ہوئی دالان میں آ گئی جہاں پر ہم جوتیاں لینے کی غرض سے کھڑی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ناہید کی آنکھوں میں عقیدت سے آنسو جاری تھے۔اس پر عجیب قسم کی کیفیت طاری تھی۔ میں اس کی کیفیت کو بھانپ رہی تھی دعا کرنے کے بعد جوتیاں ہاتھ میں پکڑ کر ہم باہر کی جانب نکل پڑیں۔

’’اب ہم بازار دیکھیں گے۔‘‘

ناہید کی اس بات سے میں مسکرائی۔

’’کرنسی تبدیل ہو چکی ہے۔ناہید بازار نہ جائے یہ کیسے ممکن ہے۔‘‘

’’بلقیس جی۔‘‘

’’ہونہہ۔‘‘

میں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

’’مجھے لگتا ہے تمہیں شاپنگ سے غرض نہیں ہے۔‘‘

’’میں مسکرا پڑی۔

غرض۔۔۔۔۔۔۔تو ہے۔۔۔۔۔۔۔چلو دیکھتے ہیں ایران کے بازار کیسے ہیں۔ موسیٰ رضا کے روضے کے قریب ہی رضا بازار تھا۔ڈرائیور نے گاڑی وہیں کہیں پارک کی اور ہم ایرانی خاتون اور اس کے میاں کے ساتھ بازار کی جانب بڑھ گئے۔ ناہید کی خواہش تھی کہ مشہد سے فیروزے خریدے جائیں۔۔۔۔۔۔۔شاید وہ اپنی بہن سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ فیروزے ضرور لائے گی۔

رضا بازار جگمگاتا ہوا ہمارے سامنے تھا۔ بازار کے دونوں جانب دکانیں تھیں۔کوئی کپڑے کی اور کئی دکانیں ریڈی میڈ ملبوسات کی نظر آئیں۔ کہیں کہیں جیولروں کی دکانوں پر فیروزے بھی نظر آئے۔ مگر ہمارے ساتھ آئی ہوئی خاتون نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔

اوپر کی دکانوں میں فیروزے بہت عمدہ ہیں۔ میرا خیال ہے وہاں سے لیں۔

شام کے سائے ڈھل چکے تھے۔۔۔۔۔۔۔وقت بہت ہی کم تھا اتنی جلدی میں خریداری بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ ناہید نے بہت سی دکانوں میں فیروزوں کی جانچ پڑتال کی اور آخر میں وہ ایک دکان سے لینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

میں صرف فیروزوں کو دیکھتی ہی رہ گئی اور ناہید نے چند فیروزے خرید بھی لیے۔

’’ارے تم نے کچھ بھی نہیں خریدا۔‘‘

’’میں بازار کو غور سے دیکھ رہی ہوں۔‘‘

’’کمال ہے۔‘‘

’’اچھا میں ایک بیٹی کے لیے بلاؤز خرید لیتی ہوں۔‘‘

’’بڑی بدذوق ہو۔ بلاؤز تو پاکستان میں بھی مل جائے گا۔۔۔۔۔۔۔فیروزے لو۔‘‘

’’اب جانے کا وقت ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔پھر کبھی زندگی میں موقع ملا تو خرید لونگی۔‘‘

میری بات سے ناہید خاموش ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔رضا بازار جدہ کے بلد بازار سے ملتا جلتا تھا۔ ایرانی فارسی کے سوا کوئی اور زبان جانتے ہی نہیں تھے۔ ان کے ساتھ بھاؤ کیا جا سکتا ہی نہیں تھا۔ بہتر یہی سمجھا کہ خریداری کی ہی نہ جائے ایک بات کی خوشی تھی کہ ہمارے ایک سو روپیہ کے بدلے وہاں پانچ چھ ہزار تمن پا کر ہم اپنے آپ کو امیر ترین پا رہے تھے۔ ورنہ کسی اور ملک میں ہماری کرنسی کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے۔ یورپ میں یعنی 43 روپے کا ایک پاؤنڈ۔۔۔۔۔۔۔ہمارے پچیس روپے اور امریکہ کا ایک ڈالر۔

مگر ایران میں ایسا نہیں تھا۔ چند ہزار ہمارے ہاتھ میں تھے مگر ایرانی کرنسی کے مطابق چند لاکھ سمجھ لیں۔

ناہید نے شاپنگ بھی کی مگر روپے اسی طرح اس کے بیگ میں موجود تھے۔

''بلقیس یہاں کی کرنسی میں کتنی برکت ہے۔''

''واقعی ہی برکت ہے۔''

''تم چیزیں دیکھتی ہی رہ گئی ہو۔''

''دو بلاؤز خریدے ہیں۔''

''بس۔''

''اور کیا خریدتی۔''

''چلو صبح خرید لینا۔''

''اچھا بابا خرید لوں گی۔''

''لگتا ہے ریاض بھائی منع کرتے ہیں تمہیں۔''

''یہی بات ہے وہ کہتے ہیں سیر کے لیے آئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔اپنے ملک میں کیا کچھ نہیں ملتا۔۔۔۔۔۔۔وہاں سے کریداری کرنا۔''

''ریاض بھائی بھی میرے شوہر خالد کی طرح ہیں وہ بھی کہیں میرے ساتھ جائیں تو کچھ نہیں خریدتے۔

''سب مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

ہم ہوٹل میں پہنچ گئیں۔۔۔۔۔۔۔آج پاکستانی ایئر لائن کی جانب سے عشائیہ دیا جا رہا تھا۔

ہوٹل کا ڈائننگ ہال مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔حسب معمول دو جگہ کھانے کا انتظام تھا۔ایک طرف مردوں اک اور دوسری جانب عورتوں کے لیے الگ سے انتظام تھا۔مگر یہاں پر بھی سادے چاول چلوں کباب کھانے کے لیے مل رہے تھے۔سوکھے چاول اور کباب حلق سے نہیں اتر رہے تھے۔مگر تھوڑے وقفے کے بعد دال گوشت پیش کیا گیا۔تو ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔

مسز ممتاز نے مجھے بتایا۔

یہ لوگ تو گوشت میں کوئی سبزی یا دال نہیں ڈالتے مگر یہ سب کچھ جو پیش ہو رہا ہے آپ لوگوں کی خاطر ہو رہا ہے۔

مردوں کا الگ ٹولہ باتوں میں مصروف تھا' اسی طرح ہم خواتین کھا بھی رہی تھیں اور باتوں میں مصروف بھی تھیں۔۔۔۔۔۔

سب خواتین میں سے نصرت تھوڑی سی شرارتی تھی۔ ہر بات کا جواب شرارت بھرے انداز سے دے رہی تھی۔

ایرانی خواتین ہمارے لباس کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

ایک خاتون نے مجھ سے انگریزی میں بات چیت کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ کا لباس بہت پسند آیا ہے۔''

''شکریہ۔''

''جی تو بہت چاہتا ہے ایسا لباس پہنوں اور پہن بھی سکتی ہوں کیونکہ میرے میاں پاکستانی ہیں۔''

''اچھا۔''

میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

''لیکن فائدہ نہیں ہے۔''

''آخر کیوں فائدہ نہیں۔''

''اب دیکھئے نا۔۔۔۔۔۔۔کہ جو لباس میں نے پہن رکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔کیا آپ اس میں دیکھ سکتی ہیں۔''

غور سے اس کی جانب دیکھا تو سوائے کالے برقعے کے اور کچھ نظر نہ آیا۔

میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''میں واقعی ہی نہیں دیکھ سکتی ہوں۔''

''ہر وقت ہمیں یہ کالا جبہ پہننا پڑتا ہے۔کوئی میک اپ نہیں کرنا پڑتا اگر میک اپ کرنے کو جی کرے تو ہم اپنے گھر میک اپ کر سکتے ہیں۔لیکن باہر جاتے وقت بغیر میک اپ کے اور سارے جسم کو ڈھانپ کے یہاں تک کہ پاؤں میں بھی جرابیں پہننی پڑتی ہیں۔ وہ بھی کالے رنگ کی۔'' وہ بڑی افسردگی سے بتا رہی تھی۔

میں نے بغور اس کی جانب دیکھا تو وہ نوجوان خاتون تھی' بڑی بڑی آنکھیں' دراز پلکیں جب اٹھاتی تو اس میں اداسی چھلکتی ہوئی دکھائی دیتی۔

''ارے آپ تو بہت ہی اداس دکھائی دے رہی ہیں۔''

''اداسی کی تو بات ہے۔ ہمارا بچپن ایسا گزرا ہے کہ جیسے آزاد پرندوں کا ہوتا ہے۔ یہ ملک کسی زمانے میں یورپ سے کم نہیں تھا۔

ہماری مائیں۔۔۔۔۔۔۔پیرس کے ڈیزائن کے لباس پہنتی تھیں ہر طرح سے ان کو آزادی تھی۔مگر یہاں پر ہم سے زبردستی پردہ کروایا جاتا ہے اور کوئی فیشن بھی ہم لوگ نہیں کر سکتیں اگر بھول چوک سے کبھی باہر جاتے ہوئے لپ اسٹک لگالیں تو فوراً ہمیں ٹوکا جاتا ہے۔“

میں غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”لیکن حجاب سے تو خدا بھی خوش ہوتا ہے۔“

”حجاب آنکھوں کا ہونا چاہیے۔دل کا اور صاف نیت خدا دیکھتا ہے۔ہم لوگ جبراً پردہ کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔اس سے خدا نے کیا خوش ہونا ہے۔“

”آپ تو بغیر میک اپ کے بھی بڑی خوبصورت ہیں۔“

وہ میری بات سے مسکرا پڑی اور کہنے لگی۔

جانتی ہیں کہ یہاں پر کس قدر سختی ہے۔۔۔۔۔۔۔اگر کوئی خاتون بازار میں بغیر پردے کے اور دیدہ زیب لباس میں نظر آئے تو یہاں کی پولیس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کو گرفتار کرلے۔“

”سچ۔“

”بالکل سچی بات بتا رہی ہوں۔“

تھانے میں لڑکیوں کو لیجا کر۔۔۔۔۔۔۔کیا حوالات میں بھی بند کردیتے ہیں۔“

”بالکل۔۔۔۔۔۔۔پھر باقاعدہ ضمانت دے کر ان کے لواحقین انہیں چھڑا کر لے جاتے ہیں۔

میں اس خاتون کی باتیں سن سن کر حیران ہو رہی تھی۔جتنی دیر اس نے مجھ سے باتیں کی تھیں اس کو میں نے پریشان ہی پایا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا۔

”پاکستان بھی کبھی گئی ہیں۔“

”اب سوچ رہی ہوں کہ پاکستان ضرور جاؤں گی۔۔۔۔۔۔۔مگر میرے شوہر کہتے ہیں۔ہم پاکستان سے بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔تمہیں ان سب کے بیچ میں گزارہ کرنا پڑے گا۔“

”کن سب کے۔“

میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

”ارے آپ پاکستانی ہیں پھر بھی معلوم نہیں ہے کہ وہاں۔زندگی سسرال کے بیچ میں رہ کر گزارنی پڑتی ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔۔۔۔۔سسرال میں لوگ رہتے بھی ہیں۔مگر ایسے کوئی لوگ دیکھنے میں آئے ہیں جو علیحدہ گھر میں رہتے ہیں۔“

میرے شوہر کا کہنا ہے کہ علیحدہ گھر کے لیے بڑے وسائل چاہئیں وہ ان کے پاس نہیں ہیں۔ایرانی حکومت نے ان کو اعلیٰ نوکری دے دکھی ہے۔وہ خاصے مطمئن ہیں۔اپنے ملک میں جانے کا نام نہیں لیتے ہیں۔

”تو آپ سیر کے لیے چلی جائیں۔“

”چلیں ایسا ہی کرلوں گی۔“

نصرت نے ہم دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر پوچھا۔

”آپ دونوں باتوں میں ہی مصروف رہیں گی۔آئس کریم پگھل جائے گی۔۔۔۔۔۔۔اس کو کھائیں۔“

میں نے سامنے پڑی آئس کریم کی جانب دیکھا۔۔۔۔۔۔۔تو وہ پگھل رہی تھی ایرانی خاتون نے آئس کریم کھانی شروع کر دی۔

ناہید نے مجھے کہا۔

”بلقیس آپ بھی کھائیں نا!“

”مجھے آئس کریم پسند نہیں ہے۔“

”کمال ہے یہاں کی سپشل آئس کریم سٹابری کے ساتھ پاکستان میں کہاں ملے گی۔“

”مل جائے گی۔۔۔۔۔۔۔میں نے ویٹر کو تربوز لانے کے لیے کہہ دیا۔

سب نے حیرانگی سے میری جانب دیکھا۔

”کمال ہے۔۔۔۔۔۔۔ہمارے ملک میں تربوزوں کی کمی ہے۔“

”ہمارے ملک میں آئس کریم کی بھی کمی نہیں ہے۔کیا کچھ نہیں ملتا دنیا کی ہر نعمت موجود ہے۔یہاں پر بھی کچھ ہے مگر ہمارے ملک جیسی چائے نہیں ہے۔“

ایرانی خاتون نے مجھ سے کہا۔

”اگر پاکستانی چائے پینی ہے تو میرے گھر تشریف لائیں۔ میرے شوہر پاکستانی چائے ہی پیتے ہیں۔ اب تو مجھے بھی آپ کے ملک کی چائے پسند آنے لگی ہے۔“

میں آپ کے گھر ضرور آتی۔۔۔۔۔۔۔ مگر وقت اتنا کم ہے۔ کہ ہم لوگ آ نہیں سکتے۔ زندگی رہی تو پھر آجائیں گے۔“

”ضرور۔“

وہ خوش دلی سے جواب دیتے ہوئے ویٹر کو دیکھنے لگی جو تربوز کے بڑے سے ٹکڑے کو میرے سامنے رکھ رہا تھا۔

”یہاں تربوز کا جواب نہیں۔۔۔۔۔۔۔ صرف تربوز ہی نہیں بلکہ یہاں کی ہر چیز بڑی ہی عمدہ ملے گی۔۔۔۔۔۔۔ ملاوٹ سے پاک۔“

”آپ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔“

”خدا کا شکر تو ادا کرتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔ مگر کبھی کبھی فیشن کرنے کو بھی جی کرتا ہے۔“

”گھر میں کرلیا کریں۔“

میرا تو دل ہی مردہ ہوگیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ عادت سی ہوگئی ہے۔ اس قدر خوف دامن گیر ہے کہ گھر میں بھی جی کرتا ہے کہ یہ برقع ہی پہنے رہو۔“

اس وفد میں ایک نوجوان جوڑے کے ساتھ چند ماہ کی بچی بھی تھی ہر کوئی اس کو پیار کررہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ پیاری سی بچی ماں کی گود میں یوں بیٹھی ہوئی تھی جیسے وہ بڑی ہی سمجھدار ہو۔ نئے دور کی پیداوار ہر ایک کو ٹکر ٹکر دیکھتی۔ بات بات پر مسکراتی۔ ایرانی عورت سے باتیں کرتے ہوئے وہ بچی میری جانب دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ ویٹر ابھی تک مہمانوں کو آئس کریم پیش کر رہا تھا۔ اچانک جلدی میں آئس کریم لاتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ دھڑم سے فرش پر گر گیا۔۔۔۔۔۔۔ تو بچی نے یہ دیکھ کر کھل کھلا کر ہنسنا شروع کردیا۔

ایرانی عورت نے حیرانگی سے بچی کو دیکھا اور مجھ سے پوچھا۔

”بچی تو چند ماہ کی لگ رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ پاکستانی بچے بہت ہوشیار ہیں۔“

”نئے دور کی بچی ہے۔۔۔۔۔۔۔ آجکل کے بھی بچے بہت ہوشیار ہیں۔“

کھانا کبھی کا ختم ہوچکا تھا۔ مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ صبح نیشاپور جانے کے لیے پروگرام بن رہا تھا۔

صبح پتہ چلا کہ نیشاپور کا دورہ ملتوی کردیا ہے۔ کیونکہ اسی روز مشہد میں پی آئی اے کے دفتر کی افتتاحی تقریب تھی لیکن میرے میاں نے اس پر احتجاج کیا اور مشہد کے گورنر سے گلہ کیا کہ ہمیں نیشاپور کیوں نہیں لیجایا جاتا۔ اس پر اوراراکین نے بھی میرے میاں کا ساتھ دیا۔

گورنر مشہد نے دو موٹروں بمہ پولیس کے حفاظتی دستے جو تیسری موٹر میں سوار تھے۔ ہمارے لیے ازراہ کمال مہربانی مختص کردی۔ بال آخر ہم دو گاڑیوں میں سوار ہو کر عزم نیشاپور ہوئے۔

نیشاپور ایک تاریخی مقام ہے اور کسی زمانے میں علم وفن اور ایرانی' اسلامی تہذیب کا مرکز رہ چکا ہے۔ اس کا نام اتے ہی عمر خیال جیسے شاعر کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ عمر خیام ماہر فلکیات کے طور سے جانا جاتا تھا۔ فٹز جیرلڈ نے عمر خیام کی فارسی رباعیات کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اسے دنیا سے روشناس کرایا اور اب عمر خیال ماہر فلکیات کم لیکن بطور شاعر زیادہ جانا جاتا ہے۔

ایک گاڑی میں مرد حضرات اور دوسری میں خواتین بیٹھی تھیں' میرے مقابل ناہید اور اس کے ساتھ حسن آرا بیٹھی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ عمر خیام کے بارے میں سنا اور پڑھا تو بہت تھا مگر یہ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ان کے مزار پر حاضری بھی دیں گے۔

چوڑی اور کشادہ سڑک پر ہماری گاڑیاں تیزی سے جا رہی تھی۔ ایرانی باشندے جتنے ست ہیں اتنے ہی گاڑی چلانے میں چست۔۔۔۔۔۔۔ باہر کے ملکوں کی طرح یہاں پر ٹریفک اتنی منظم نہیں تھی۔ ڈرائیور اتن تیز گاڑی چلا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کہیں آگ لگ گئی ہے اور اسے بجھانے کے لیے جا رہا ہے۔ گاڑی میں بیٹھے اتنے زور کا جھٹکا لگتا کہ ہمارا سر ایک دوسرے سے ٹکرا جاتا۔۔۔۔۔۔۔ ناہید نے ڈرائیور کے پاس بیٹھے ہوئے چودہ پندرہ سال کے لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا ذرا فارسی میں تم ہی اسے کہو کہ گاڑی آہستہ چلائے۔“

وہ لڑکا ہماری جانب دیکھ کر مسکرایا۔۔۔۔۔۔۔ بے چارہ اکیلا ہماری گاڑی میں بیٹھا تھا۔ جب سے گاڑی چلی تھی وہ ہماری باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ لڑکے نے فارسی میں ڈرائیور کو سمجھایا۔ مگر اس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کہ ہم سب گاڑیوں سے پیچھے ہیں۔ اگر آہستہ چلائی تو ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے۔

”اچھا اسے کہو پھر احتیاط سے چلائے۔“

لڑکے نے اسے ایک بار پھر احتیاط سے چلانے کے لیے کہا تو وہ ہنس پڑا اور گاڑی اسی رفتار پر چلتی رہی۔

ناہید نے حسن آرا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اس کو تو سمجھانا ہی فضول ہے۔''

''ناہید۔''

میں نے باہر کے منظر کی طرف رجوع کرنے کو کہا۔

''باہر کا نظارہ بھی لو۔۔۔۔۔۔۔خفگی کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''خاک نظاروں لوں سوائے بنجر پہاڑوں کے کچھ بھی تو نہیں ہے۔''

دیکھو تو ذرا۔۔۔۔۔۔۔بنجر پہاڑوں کے درمیان کافی فاصلوں پر سبزہ بھی نظر آتا ہے اور چھوٹے چھوٹے صاف ستھرے گاؤں کتنے بھلے لگتے ہیں۔''

''ارے واقعی ہی سبزہ بھی ہے اور گاؤں بھی'' اب ہماری گاڑی کے دائیں اور بائیں جانب سبزہ ہی سبزہ دکھائی دے رہا تھا۔

ایک سو بیس کلومیٹر پر نیشاپور تھا۔۔۔۔۔۔۔ہم تقریباً آدھا سفر طے کر چکے تھے۔

حسن آرا ناہید کے قریب ہی بیٹھی تھی۔۔۔۔۔۔۔وہ بھی نظارہ لینے میں محو تھی۔

''ہمارے ملک کی نسبت یہ گاؤں بہت ہی صاف ستھرے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ناہید تم ٹریفک کے بارے میں برا بھلا کہہ رہی ہو۔ اپنے ملک سے ٹریفک یہاں کچھ منظم ہے۔''

''آبادی کے لحاظ سے منظم ہے۔۔۔۔۔۔۔وہاں گاڑیاں زیادہ ہیں اور سڑکیں تنگ۔''

ناہید نے جواب دیا۔

میں نے ان دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''خدا کے واسطے ان مناظر کو آنکھوں میں سمو لو۔''

ناہید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ایک بندہ کافی ہے۔۔۔۔۔۔۔مناظر کو آنکھوں میں بند کرنے کے لیے۔'' ناہید کی اس بات سے میں مسکرا پڑی۔

بنجر پہاڑ' سبزہ اور چھوٹے چھوٹے گاؤں سے ہوتے ہوئے ہم نیشاپور کے باہر پولیس چوکی پر پہنچ گئے اور اس کے بعد' ہماری کاروں کو اندر جانے کی اجازت دی گئی۔

موڑیں ہمیں سیدھا ایک بڑے خوبصورت باغ کے باہر لے گئیں' وہاں دور سے ہمیں ایک مینار دکھائی دیا اور ہمیں بتایا گیا کہ یہ عمر خیام کا مزار ہے۔ اصل میں مزار نہیں تھا بلکہ یادگار تھا اس کے پہلو ختم شدہ تھے اور اس کی مرمت جاری تھی۔

یادگار پر مخصوص ایرانی رنگ کا ٹائلوں کا کام ہوا تھا۔ اس کے اندر چھوٹی سی گول قبر موجود تھی۔ طلبا اور زائرین اس باغ میں گھوم پھر رہے تھے۔ باغ میں نہایت ہی خوب صورت گلاب کے پھول کھلے تھے۔ موسم اتنا گرم نہیں تھا۔ فضا میں گلاب کے پھولوں کی خوشبو رچی بسی تھی ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔بھینی بھینی خوشبو سے دل معطر ہو رہا تھا۔

نیشاپور دیکھ کر خدا کی خدائی یاد آئی یہ بھی ثابت ہوا کہ ثبات صرف اللہ کی ذات میں ہے۔ چنار کے درخت جگہ جگہ دکھائی دیتے اس خطہ نے تاریخ اسلام کے عظیم فرزند پیدا کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس شہر کو بغداد کی طرح ہلاکو نے تہ و بالا کیا۔

اس مزار سے باہر نکلے اور بائیں جانب جو دیکھا تو دو اور خوب صورت مزار دکھائی دیئے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک مزار حضرت ابراہیم زادہ رحمت اللہ علیہ کا ہے۔ جہاں حضرت موسیٰ الرضا کے پاؤں مبارک کا نقش بھی موجود ہے۔ ابراہیم زادہ کے روضہ مبارک پر فاتحہ پڑھی۔

یہاں سے فاتحہ پڑھنے کے بعد ہم لوگ ملحقہ مزار میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑے بزرگ شیخ محروق رحمت اللہ علیہ کا ہے۔ ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ جل کر شہید ہوئے۔

ان کے مزار پر بھی فاتحہ پڑھی اور باہر نکلے تو پولیس گارڈ کے انچارج جس کو ہمارے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ باغ کے باہر ایک ریسٹورنٹ میں لے گئے اور چائے کی دعوت دے ڈالی جو ہم لوگوں نے بخوشی قبول کر لی۔

چائے کے ساتھ وہی کھیرے' چیری اور خوبانی پیش کی گئی تمام لوگوں نے بڑی رغبت کے ساتھ کھائیں۔۔۔۔۔۔۔ہم خواتین ایک میز پر بیٹھی تھیں۔ اپنے میزبان کے بارے میں بات چیت کر رہی تھیں۔

''یہاں کے لوگ خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں۔''

نصرت نے خوبانی کو اپنے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں۔۔۔۔۔۔۔یہ پولیس آفیسر نہ بھی دعوت دیتا تو کوئی بات نہیں تھی۔''

''اسی بات سے ان کی مہمان نوازی کا پتہ چلتا ہے'' میں نے ایرانی چائے پیتے ہوئے جواب دیا۔ گو کہ اس وقت پاکستانی چائے کی طلب ہو رہی تھی مگر ایرانی چائے کو اس وقت غنیمت جانتے ہوئے پی گئے۔

چائے سے فارغ ہوتے ہی ہم سب نے اس کا خندہ پیشانی سے شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد ہمیں عمر خیال کے عجائب گھر میں لیجایا گیا۔ وہاں نیشاپور کے کھنڈرات سے برآمد شدہ منقش چاندی اور مٹی کے ظروف رکھے ہوئے تھے۔ عمر خیال کی تصاویر بھی موجود تھیں فسٹر جیلڈ کی تصویر بھی دیکھی۔ پرانے ظروف اور ٹائلوں کے ٹکڑے اور بے شمار نوادرات موجود تھے۔ لیکن عمر خیام کی رباعیات کا کوئی بھی نسخہ موجود نہ تھا۔ حالانکہ چاہیے تھا کہ یہاں عمر خیال کی شاعری کے نسخے فروخت کے لیے رکھے جاتے۔۔۔۔۔۔۔ یہ تو ہماری سوچ تھی۔۔۔۔۔۔۔ نہ جانے کس مجبوری کی بنا پر یہ نسخے فروخت نہیں ہو رہے تھے۔ حالانکہ لندن' امریکہ' پیرس کے عجائب گھروں کے باہر بے شمار بروشر ملیں گے۔ جن میں عجائب گھروں کی تصویریں بلکہ ہسٹری تک ملے گی۔

عجائب گھر سے باہر نکلے تو دو روضوں کے اور گنبد دکھائی دیے ہم کشاں کشاں ان کی طرف روانہ ہوئے۔ پتہ چلا ایک روضہ حضرت شیخ فریدالدین عطار کا ہے۔۔۔۔۔۔۔ جو اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی بزرگ گزرے ہیں اور اپنی مشہور زمانہ تصنیف یعنی قصص الانبیا اور قصص الاولیا کی وجہ سے اپنا نام قیامت تک روشن کر گئے۔ ان کی قبر مبارک سیاہ پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ فاتحہ پڑھی اور باہر نکل آئے اور اس کے بعد ہم دوسرے روضہ مبارک کی جانب چلے گئے۔

پتہ چلا کہ یہ روضہ کلام الملک صاحب کا ہے۔ جو اپنے وقت کے بہت بڑے شاعر اور فلسفی گزرے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ان کی قبر مبارک اور روضہ کی تعمیر کا کام جاری تھا۔۔۔۔۔۔۔ ان کی قبر مبارک پر ان کی تصویر بھی سنگ تراش کر بنائی گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔ یہاں سے دعا مانگنے کے بعد ہم فارغ ہو چکے تھے۔

ناہید نے واپس مشہد جانے کی بجائے ریاض سے پوچھا۔

ریاض بھائی نیشاپور کے فیروزے تو مشہور ہیں۔۔۔۔۔۔۔ کیوں نہ خریداری کر لی جائے۔

ریاض کے پاس کھڑے ہوئے ہمارے ہم سفر بھائی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بہن فیروزوں کے لیے واقعی نیشاپور مشہور ہے مگر جب فیروزے کانوں سے نکالے جاتے ہیں تو نیشاپور میں ہی تراشے جاتے ہیں۔ مگر فروخت کے لیے مشہد بھیجے جاتے ہیں۔"

"چلیں مشہد سے ہی خرید لیں گے" ناہید کی اس بات سے ریاض مسکرائے اور گویا ہوئے۔

"چلو شاپنگ سے نجات مل گئی ہے۔"

"چلیں۔۔۔۔۔۔۔ فیروزوں کی کانیں ہی دیکھ لیں" ناہید نے پھر دھیرے سے فرمائش کی اسی ہم سفر بھائی نے جواب دیتے

ہوئے کہا۔

"ہم خصوصی اجازت کے بغیر وہاں نہیں جا سکتے۔" ناہید بے چاری دل برداشتہ ہو کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور ہم واپس مشہد کے لیے روانہ ہو گئے۔

دوپہر کے کھانے کے وقت ہم مشہد پہنچ چکے تھے کھانے کا اہتمام دو جگہوں پر کیا گیا تھا۔ کچھ لوگ تو ہوٹل میں ہی تناول کرنا چاہتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ مگر میرے میاں بضد تھے کہ وہ حضرت امام رضا موسیٰ کے لنگر خانہ میں کھانا کھائیں گے۔۔۔۔۔۔۔ کچھ اور لوگ بھی ہمارے ہمراہ لنگر خانہ میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

مسز ممتاز جو کہ خود ایرانی خاتون تھیں۔۔۔۔۔۔۔ چہرے پر مسکان سجائے ہمارے شانہ بشانہ لنگر خانہ تک جانے لگیں۔ مسز ممتاز نے جو کہ ایک ادھیڑ عمر کی خاتون سر پر سکارف باندھے پاکستانی لباس میں ملبوس تھیں۔ مسز ممتاز کی آنکھوں میں محبت چھلک رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ وہ اتنی با اخلاق تھیں کہ خواہ مخواہ جی کرتا تھا کہ ان سے باتیں ہی کیے جاؤ۔

حضرت موسیٰ الرضا کے مزار تک جانے کے لیے وہ میرے ہمراہ گاڑی میں بیٹھیں۔۔۔۔۔۔۔ لنگر خانہ کی تصویر کشی بعد میں کروں گی۔ پہلے اپنی سوچ کا دائرہ بیان کر دوں تو مناسب ہوگا۔ اکثر درباروں کے لنگر خانوں کے قریب سے میرا گزر ہوا ہے۔ اس قدر رش ہوتا ہے کہ نیاز بانٹنے والا لوگوں کے بیچ دب سا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ نیاز لینے والوں کا ہجوم ایک دوسرے کے اوپر گر رہا ہوتا ہے۔ کچھ یہی تاثرات لیے ہم موسیٰ الرضا کے روضے پر پہنچ گئے۔ وہاں سے نگران ہمیں لنگر خانے میں لے گئے۔ روضے کے بالکل دائیں جانب ہٹ کے چند سیڑھیاں طے کرنے کے بعد ہم ایک ہال نما کمرے میں داخل ہو گئے۔

وہ ہال اس قدر صاف ستھرا تھا کہ ہم دنگ رہ گئے "کہ یہ لنگر خانہ ہے۔"

لنگر خانے کے ہال میں کافی میزیں لگی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ کاؤنٹر کے شوکیسوں میں کھانا لگا تھا۔۔۔۔۔۔۔ ویٹر باقاعدہ وہاں سے کھانا نکالتے۔۔۔۔۔۔۔ اس کوٹرالی میں لگاتے اور مہمانوں کے سامنے پیش کرتے۔۔۔۔۔۔۔ نہ صرف ہال صاف ستھرا تھا بلکہ وہ ویٹر سفید وردیوں میں پھرتی کے ساتھ کام میں مشغول نظر آرہے تھے۔۔۔۔۔۔۔ جو مہمان کھانا کھا کر نکلتا تو اس میز کو باقاعدہ صاف کرتے اور دوسرے مہمانوں کے لیے پلیٹیں لگا دیتے۔

میں لنگر خانہ میں مسز ممتاز کے ساتھ آئی تھی باقی مہمان ہوٹل میں کھانا کھا رہے تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے کہہ دیا۔

"کتنا عمدہ انتظام ہے۔۔۔۔۔۔۔ یوں لگتا ہے کہ کسی لنگر خانہ میں نہیں بلکہ اچھے سے ریسٹورنٹ میں آ گئے ہیں۔"

مسز ممتاز نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

باہر کے ملکوں کے جو ریسٹورنٹ ہیں وہاں پر اکثر سلیف سروس ملے گی۔۔۔۔۔۔مگر یہاں پر پاکستانی ریسٹورنٹ کی طرح سروس بھی ملے گی اور عمدہ کھانا بھی۔''

''مسز ممتاز۔۔۔۔۔۔کتنے زائرین یہاں پر کھانا کھاتے ہیں۔''

یہاں پر تقریباً روز پانچ ہزار لوگ کھانا کھاتے ہیں۔۔۔۔۔۔جو بھی باہر سے آتا ہے وہ موسیٰ رضا کا مہمان بن کر آتا ہے۔''

''پانچ ہزار لوگ۔''

میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

''واقعی پانچ ہزار۔''

''لیکن یہ تو بڑے ہی منظم طریقے سے کھانا پیش کر رہے ہیں۔ایک بار پھر مجھے اپنے ملک کے لنگر خانے یاد آ گئے۔تو مسز ممتاز نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میں بھی کراچی میں ہی رہتی ہوں۔۔۔۔۔۔میں جانتی ہوں آپ کیا سوچ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔یہی کہ یہ نظام اتنا منظم کیوں ہے۔یہاں کی گورنمنٹ بہت دلچسپی رکھتی ہے۔۔۔۔۔۔تمام کے تمام نظام اسی طرح چل رہے ہیں۔''

میں مسز ممتاز کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی۔۔۔۔۔۔ہمارے سامنے والی میز پر نصرت اپنی بھابی اور بھائی کے ساتھ بیٹھی تھیں ہونٹوں پر شرارتی مسکان تھی۔۔۔۔۔۔کالے رنگ کی بڑی سی چادر اوڑھے ہمیں دیکھ رہی تھیں۔

''کمال ہے میں دیر سے آپ کی گفتگو سن رہی ہوں۔۔۔۔۔۔مجال ہے کہ دونوں میری جانب دیکھیں۔۔۔۔۔۔سب کچھ مسز ممتاز سے ہی پوچھ لینا ہے کہ مجھ سے بھی پوچھو گی۔''

نصرت مجھ سے ہمکلام تھی۔

میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

تو جناب ارشاد فرمائیں۔

''میں بھی کافی مرتبہ یہاں آ چکی ہوں۔۔۔۔۔۔جب بھی آؤ۔۔۔۔۔۔یہ لنگر خانہ کھلا ہی ملے گا اور لوگ کھانا کھاتے ہوئے پائیں گے۔''

کھانا یہاں پر زائرین ہی کھاتے ہیں کہ یہاں پر رہنے والوں کو بھی دعوت دی جاتی ہے۔''

خیر سے پانچ ہزار لوگ جو کھاتے ہیں وہ اکثر باہر کے ملکوں سے آتے ہیں۔۔۔۔۔۔لیکن یہاں کے رہانے والوں کو بھی دعوت دی جاتی ہے۔ہفتہ میں شاید ایک یا دو مرتبہ ان کے لیے کھانا بنتا ہے۔''

نصرت نے ابھی اتنا ہی بتایا تھا کہ بیرے نے دال اور چاول ہماری میزوں پر چن دیئے۔نصرت کی بھابی اور بھتیجا بھی اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔بھابی کی دو چوٹیاں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ ان کا تعلق بلوچستان سے ہے صرف دو چوٹیاں ہی نہیں تھیں بلکہ شیشوں سے بنے کام کا گلا ان کے لباس کو دوبالا کر رہا تھا۔ چالیس پینتالیس سال کی خاتون اپنے شوہر کے ہمراہ بیٹھی تھی۔۔۔۔۔۔شوہر نے سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی۔۔۔۔۔۔مونچھیں اور ڈاڑھی سفید دیکھ کر میں نے اپنے شوہر سے پوچھا۔

''عمر رسیدہ بزرگ لگتے ہیں۔''

''ارے یہ تو پچاس سال کے بھی نہیں۔''

''اچھا۔''

میری حیرانگی میں اضافہ ہو گیا۔۔۔۔۔۔تو نصرت نے میری چوری پکڑ لی۔

''یہ ایک تو آپ کی بیگم صاحبہ کھسر پھسر بہت کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔میں ان کی غلط فہمی دور کر دیتی ہوں۔''

یہ صاحب ہماری نند صاحبہ کے شوہر نامدار ہیں۔ڈاڑھی اور بال سفید ہیں۔اس لیے کافی عمر رسیدہ دکھائی دیتے ہیں۔چلو ایک لحاظ سے اچھا ہی ہے۔کسی بزرگ کا ساتھ ہونا فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔''

نصرت کی اس بات سے اس کی کم گو بھابی خاموشی سے میرا منہ دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔اپنی بھابی کو جواب کیا دیتی۔''

ہم لوگ کھا بھی رہے تھے اور باتیں بھی ساتھ ساتھ کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔بیرے نے جگ اور گلاس میز پر رکھ دیئے۔میں نے پانی کا گلاس لبوں کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''یہاں کا پانی بھی بہت عمدہ ہے۔''

''یہ سب موسیٰ رضا کی برکت ہے۔''مسز ممتاز نے بڑی عقیدت سے جواب دیا۔

ہماری میز کے بائیں جانب ایک ایرانی خاتون بیٹھی تھیں۔۔۔۔۔۔ان سے مسز ممتاز نے علیک سلیک کروائی تو وہ میری میز پر ہی چلی آئیں فارسی تو مجھے آتی نہیں تھی۔اس خاتون کا اردو کا مسئلہ درپیش تھا۔ہم دونوں کی گفتگو انگریزی میں شروع ہو گئی۔وہ موسیٰ

رضا سے بہت عقیدت رکھتی تھیں۔ مجھے بتارہی تھیں کہ ہر سال دوسرے ملک سے یہاں آتی ہوں اور موسیٰ رضا کے روضہ مبارک میں حاضری دیکر واپس چلی جاتی ہوں۔ میں نے اس کی جانب دیکھا تو وہ اٹھائیس اور تیس سال کی خوب صورت خاتون کالا جبہ پہنے بڑی بڑی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بات چیت کررہی تھیں۔ دراز پلکیں جب اٹھاتی تو وہ اتنی بھلی لگتی کہ خواہ مخواہ اس سے باتیں کرنے کو جی کرنے لگتا۔ چھوٹا سا بچہ اس کے ہمراہ تھا۔

''جی میں ہر سال اسی کی منت اتارنے آتی ہوں۔''

''منت۔''

میں نے اس کی بات دہراتے ہوئے پوچھا۔

شادی کے پانچ چھ سالوں کے بعد یہ بیٹا پیدا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔۔ خدا کی مہربانی سے اور موسیٰ رضا کی برکت سے میں صاحب اولاد ہوگئی ہوں۔ اس سے پہلے میں بہت پریشان تھی۔''

''کیوں۔''

''یہی کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میاں نے دوسری شادی رچالینی تھی۔''

''اچھا تو ایران میں بھی یہ وبا ہے۔''

''ایران چھوڑ۔۔۔۔۔۔۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جاؤ۔۔۔۔۔۔۔ اولاد کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ لوگ شادی کریں ہی کیوں۔''

''آپ نے پھر منت مانگی۔''

''ہم لوگ تب ایران میں رہتے تھے۔ میری شادی ایک پاکستانی مرد سے ہوگئی تو میں ان کے ساتھ کوئٹہ چلی گئی۔ پانچ سال تک جب اولاد نہ ہوئی تو سسرال والوں نے شور مچانا شروع کردیا تو میاں بھی دبے دبے لفظوں میں اولاد کی خواہش کرتے۔ تو میں نے گھر بیٹھے ہی منت مانگی کہ میں موسیٰ رضا کے دربار میں حاضری دوں گی۔۔۔۔۔۔۔ اگر خدا میری جھولی بھر دے۔۔۔۔۔۔۔ ابھی چند مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ خدا نے میری آہ وپکار سن لی اور مجھے بیٹا عطا کیا۔ اس کا نام ہم نے رضا علی رکھا ہے۔''

میں نے اس بچے کی جانب دیکھا۔

تین سال کا سرخ وسفید گول مٹول بچہ شرارتی نظروں سے ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا اور ہماری باتوں سے اخذ کرنے کی کوشش کررہا

تھا کہ وہ باتیں اسی کے متعلق ہورہی ہیں۔''

''تو کیا آپ اکیلی ہی آتی ہیں۔''

''میرے شوہر ابھی تک کوئٹہ میں ہی ہیں۔ میرے والدین ایران میں ہیں اکیلی دو دن کے لیے مشہد آتی ہوں۔ جی بھر کر حاضری دیتی ہوں اور دوسرے دن والدین سے مل کر ایران سے کوئٹہ واپس چلی جاتی ہوں۔

''پھر تو مشہد سے آپ کا خاص رشتہ لگتا ہے۔''

وہ گویا ہوئی۔ واقعی میرا خاص رشتہ ہے۔۔۔۔۔۔۔ اور سب سے بڑی بات بتاتی چلوں کہ مشہد کا تاریخی رشتہ طوس سے جاملتا ہے جس کی بنیاد جمشید نے ڈالی تھی۔ 819 عیسوی میں خلیفہ مامون الرشید نے شباد میں کچھ روز قیام کیا اپنے والد کے مزار پر حاضری دی۔ ان کے ساتھ ان کے داماد امام علی بن موسیٰ الرضا تھے۔ مامون نے زہریلے انگور حضرت امام علی الرضا کو دیئے جس سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔ جہاں ان کا وصال ہوا وہ جگہ مشہد کہلاتی ہے۔

ایرانی عورت نے بھی وہی بات بتائی جو تاریخ دانوں نے بتائی تھی میں غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی کہ وہ پھر گویا ہوئی۔

جائے شہادت مشہد نے ایک خاص مقام حاصل کرلیا ہے۔ یہاں پر زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ اکثر عمارتیں اور حقیقی مزار سبکتگین کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ محمود غزنوی نے نئی زیادت تعمیر کرائی 1007ء میں مشہد کو یوں تو مختلف فاتح وسطی ایشیا سے نقصان پہنچتا رہا مگر مشہد پھلا پھولا اور اس کی اہمیت میں اضافہ ہی ہوا صدیوں کے دائرے میں۔

1975ء میں پرانی عمارتیں جو مزار کے اردگرد تھیں گرادی گئیں اور ایک سبز خطہ بھی مزار کے گرد بنوایا گیا۔ پہلوی دور میں انقلاب کے بعد یہ سبز خطہ عوام کے لیے کھول دیا گیا اور آپ کو بتاؤں کہ مزار بیش قیمت سونے' چاندی' شیشوں اور کاشی کے کام سے مزین ہے۔ ہر طرح سے یہ مزار اسلامی فن تعمیر کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔''

اس کی بات کاٹتے ہوئے میں نے جواب دیا۔

''آپ نہ بھی بتائیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ سونے چاندی اور شیشوں کے کام سے مزین ہے۔ میں پہلی مرتبہ جب داخل ہوئی تھی تو حیران ہی رہ گئی تھی۔ اس قدر خوبصورت کہ بڑی سبزی سیر گاہ بھی اس کے آگے کچھ نہیں۔

وہ میری باتوں سے محظوظ ہوتے ہوئے کہنے لگی۔

''مشہد کی آبادی تین ملین کے قریب ہے اور یہاں ایران' پاکستان' افغانستان' انڈیا اور دوسرے ملکوں کے کونے کونے سے

زائرین جوق در جوق آتے رہے ہیں۔قرآن پاک کے نادر نسخے اور خطاطی کے عظیم ٹکڑے ایک میوزیم میں موجود ہیں جو مزار کے احاطے میں ہے۔سمجھ لیجئے بنوایا گیا ہے۔اس میں بہترین قالین اور مصوری کے نمونے بیش بہا قرآن کے نسخے جن پر عقیدت کے ساتھ فن کی عظمت جھلکتی ہے۔''

وہ بولتی جا رہی تھی اور میں خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی اس نے بتایا۔

خراسان کا صوبہ مشہد ہے۔یہ ایران کا سب سے بڑا صوبہ ہے اور اس کا نام آریائی لوگوں نے آج سے ہزاروں سال پہلے رکھا تھا۔خراسان کا مطلب ''ابھرتے سورج کی زمین'' اس کا تعلق خراسان کی سیاسی اہمیت سے بھی ہے۔اس صوبے میں دو بڑے صحرا بھی موجود ہیں۔''دشت لوط'' اور ''دشت کاویر۔'' عظیم پہاڑی سلسلوں ''البرز'' اور ''زگرس'' کے قدموں تلے۔۔۔۔۔۔۔دریائے کاشف رود پانی کا بنیادی ذریعہ ہے اس خطے میں۔۔۔۔۔۔۔مشہد کے آس پاس فردوسی، عمر خیام، امام محمد غزالی، شیخ فریدالدین بھی آرام فرما رہے ہیں۔فیروزے کی کانیں بھی مشہد کے قریب ہی ہیں اور رضا بازار میں فیروزے اور نادر اشیا بھی دستیاب ہیں۔''

میرے میاں خاموشی سے اس خاتون کی باتیں سن رہے تھے۔اچانک بول پڑے۔

اتنی اچھی معلوماتی باتیں کرتے کرتے فیروزوں کی باتیں کرنے لگ گئی ہیں۔

وہ خاتون۔

کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

اس کو ہنستے دیکھ کر تمام زائرین کی نظر اس پر پڑی اور وہ کچھ لمحوں کے لیے کھسیانی سی ہو گئی۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہم آج نیشاپور سے ہی واپس آ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔مشہد کے اردگرد کی سیر کے علاوہ ہم نے کافی مزاروں پر حاضری بھی دی ہے۔۔۔۔۔۔۔لیکن رضا بازار میں جو نادر اشیا دستیاب ہیں اس کا ذکر سن کر دل ایک بار پھر سے للچانے لگا ہے۔''

آپ سیر کے لیے آئی ہیں۔۔۔۔۔۔۔لگتے ہاتھوں بازار بھی دیکھ لیں۔۔۔۔۔۔۔پاس ہی تو ہے۔''

میں رضا بازار کل دیکھ چکی ہوں مگر جلدی میں کچھ نہ خرید سکی۔''

''چلیں آج خریداری کر لیں۔''

اس کی بات سے ریاض کے دوست جو کوئٹہ میں مقیم تھے اور اس وفد میں ہمارے ساتھ آئے تھے۔۔۔۔۔۔۔اپنی خدمات

پیش کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''چلیں بھابی میں آپ لوگوں کے ساتھ چلتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔میری بیوی بھی بازار جانے کے لیے ضد کر رہی ہے۔''

میں نے ان کی اہلیہ کی جانب نظر دوڑائی تو وہ برقع میں لپٹی میری ہی جانب دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔سارا منہ ڈھکا تھا اور دو آنکھیں التجا کر رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔کھانا ختم ہو چکا تھا۔

میں نے ان کے ساتھ چلنے کی حامی بھر لی۔۔۔۔۔۔۔مسز ممتاز اور ایرانی خاتون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا اگر پاکستان میں لاہور کا چکر لگے تو ضرور ملنے کے لیے آیئے گا۔''

اس نے مسکراتے ہوئے ہماری پیش کش کو منظور کیا۔۔۔۔۔۔۔میں اپنے شوہر کے ساتھ باہر کی جانب لپکی تو پیچھے سے ان کے دوست اور ان کی اہلیہ بھی ہمارے ساتھ بازار دیکھنے کے لیے چل پڑے۔

کھانے کے ہال سے نکل کر حضرت موسیٰ الرضا کے روضہ مبارک پر جا کر فاتح پڑھی۔زائرین گڑگڑا کر آہ زاریاں کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔روضے کی جالی کو پکڑنے کا ارمان دل میں لیے ہجوم میں دھکے کھا رہے تھے۔

ہم چاروں ایک ساتھ فاتحہ پڑھنے کے بعد باہر نکلے۔۔۔۔۔۔۔ریاض جب بھی کسی روضے پر جاتے ہیں تو ان کی عقیدت دیکھنے والی ہوتی ہے۔ان کا بس چلے تو واپس گھر آئیں ہی نا! مگر وہاں رہنا بھی ممکن نہیں۔انسان آخر انسان ہے کوئی فرشتہ تو نہیں دنیا کے جھمیلوں میں ایسا کھوتا ہے۔کہ اسے اپنے کھونے کی خبر تک نہیں ہوتی۔

روضہ مبارک پر فاتحہ پڑھنے کے لیے لوگ اندر داخ ہو رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔زائرین کا ایک سیلاب ہی تو تھا جو امڈتا چلا آ رہا تھا لیکن ہم بازار کی سمت روانہ ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔سفیدے اور چناروں کے درخت قطار در قطار فٹ پاتھوں کے ساتھ لگے ہمارے ساتھ چلے جا رہے تھے۔

تھوڑی دور ہی چلیں ہوں گے کہ ایک بہت بڑا چوراہا آیا چاروں طرف سے ٹریفک کھلی تھی۔سامنے کی سمت سے اشارہ بند ہوا تو ہم نے سڑک کراس کر لی اور سیدھا ہی چلتے گئے اور تھوڑے سے فاصلے پر رضا بازار تھا۔۔۔۔۔۔۔ہم اس میں داخل ہو گئے۔بازار میں اس طرح کا ہجوم نہیں تھا جیسا کہ لاہور کی انارکلی اور اچھرہ بازار میں ہوتا ہے۔لوگ پرامن طریقے سے اپنی اپنی دکان سجائے بیٹھے تھے۔وہ اس وقت پرامن شہری ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔اگر کسی دکان پر جا کر کوئی مطلوبہ اشیا دکھانے کو کہتے تو وہ خوشگوار لہجے

میں دکھانے کے لیے راضی ہو جاتے۔

ایک دکان پر فیروزے دیکھتے ہوئے ہم نے کافی دیر لگائی۔ پسند نہ آنے پر وہاں سے چلتے بنے۔ دکاندار نے خوش اسلوبی سے خدا حافظ کہا تو میں ایک دم سے ہی سعودی عرب کے دوکان داروں کو یاد کرنے لگی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مدینہ شریف کے حرم سے نکل کر ایک جوتیوں کی دوکان پر میں گئی اور مطلوبہ جوتی دکھانے کو کہی۔۔۔۔۔۔۔عربی دوکان دار اس وقت شاید کسی کام میں مصروف تھا۔ غصے سے بولا ''خاص۔۔۔۔۔۔۔ خاص'' دونوں ہاتھوں سے باہر جانے کے لیے کہا۔ عجیب دوکان دار ہیں۔۔۔۔۔۔۔بغیر دکھائے ہی گرم ہو جاتے ہیں میرے ساتھ جو بہن گئی تھیں۔۔۔۔۔۔۔شاید وہ سعودی عرب میں مقیم تھیں۔ مسکرا کر بتانے لگیں۔

''کہ یہ کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔ہم لوگوں کو یہ مسکین کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔غریب پاکستانی۔۔۔۔۔۔۔ہماری یہاں پر کوئی پہچان نہیں ہے۔''

''کمال ہے مسلمان ہو کر یہ بات کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔پاکستانیوں سے نفرت کتنی بری بات ہے۔''

تمہارے لیے بری ہے نا! مگر ان کے لیے کوئی بری بات نہیں۔ صرف دوکان دار ہی نہیں ہر شعبے میں یہی حال ہے۔ جہاں چلے جاؤ پاکستانیوں سے نفرت کریں گے۔''

اس کی باتیں سن کر مجھے دلی رنج ہو رہا تھا مگر کیا کریں ہم رسول کے روضہ کے قریب کھڑے تھے۔ میں ان کو برا بھلا کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ اپنا سامنہ لیکر واپس گھر آ گئی۔

''کس سوچ میں پڑ گئی ہیں۔'' میری ہمسفر بہن نے مجھے پکارا۔

''اوہ۔''

''یہ والے فیروزے بہت اچھے ہیں۔ آپ بتائیں کہ میں کس ڈیزائن میں سیٹ بنواؤں۔''

''یہ تو آپ کی پسند پر منحصر ہے۔''

ہم اس وقت کوئی سات دوکانیں پھرنے کے بعد اس دوکان میں آئے تھے۔۔۔۔۔۔۔ریاض کے دوست کو فیروزوں کی خاص پہچان تھی۔۔۔۔۔۔۔بال آخر وہ اصرار کرنے لگے کہ آپ بھی چند فیروزے لے لیں گو کہ فیروزے لینا ہمارا مقصد نہیں تھا۔ مقصد تھا تو صرف بازار میں گھومنے کا۔ ایران آ ہی گئے تھے تو سیر ہمارا اولین مقصد تھا۔

وہ فیروزے لے چکے تھے۔ ہم اس دوکان سے باہر نکلے تو ہماری نظر بہت سی دکانوں پر پڑی۔۔۔۔۔۔۔میں حیرت میں تھی کہ یہاں بازاروں میں ہجوم کیوں نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔ہمارے ساتھ جو بھائی آئے تھے۔۔۔۔۔۔۔وہ کافی مرتبہ ایران آ چکے تھے۔۔۔۔۔۔۔حضرت موسیٰ الرضا سے ان کو بھی خاصی عقیدت تھی۔۔۔۔۔۔۔ان کی اہلیہ کا بس چلتا تو ہر ماہ یہاں چلی آتیں۔۔۔۔۔۔۔کیونکہ ان کے شوہر سے زیادہ ان کی آنکھوں میں عقیدت چھلکتی نظر آتی تھی۔

''بھابی یہاں پر کام آرام آرام سے ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔حالانکہ یہ بڑی پھرتی سے کام کرنے والی قوم نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔مگر پھر بھی چند سالوں میں ہی ان لوگوں نے بہت ترقی کر لی ہے۔۔۔۔۔۔۔ان کو دیکھ کر ہمیں رشک آتا ہے۔۔۔۔۔۔۔یہ کیا تھے اور کیا ہو گئے ہیں اور ہم کون سے مقام پر کھڑے ہیں۔ شاید گھڑی کی سوئیاں ہمارے ملک میں رکی ہوئی ہیں۔ یہ بڑی بااخلاق اور ملنسار قوم ہے۔''

وہ تو ان کے خلوص سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہم ایک دوکان میں داخل ہو چکے تھے۔ دوکان دار شادیدان کا واقف تھا اس نے ایرانی چائے کی پیش کش کی تو ہم نے اس کو خوبصورتی سے ٹال دیا۔۔۔۔۔۔۔کہ ابھی پی کر آئے ہیں۔ اس میں جھوٹ بھی نہیں تھا جہاں کھانا کھایا تھا وہاں پر چائے بھی پی تھی۔ دوکاندار نے مختلف قسم کے فیروزے کاؤنٹر پر دکھانے شروع کر دیئے۔۔۔۔۔۔۔ہم بڑی دلچسپی کے ساتھ فیروزوں اور دیگر پتھروں کو دیکھتے رہے۔۔۔۔۔۔۔دوکاندار جو پتھر بھی دکھائے تو کہے یہ اصلی ہے اور وہ والے اصلی نہیں ہیں۔''

ہمارے ہم سفر بھائی فارسی بڑی اچھی بولتے تھے۔ میرے میاں بھی اچھی خاصی فارسی بول لیتے ہیں۔ ان کی بات چیت سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان لوگوں سے بہت خوش ہیں۔۔۔۔۔۔۔وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

''دیکھا بھابی یہ لوگ کتنے ایماندار ہیں۔ غلط چیز کو اصلی بنا کر نہیں بیچتے۔''

''میں بھی اندازہ لگا رہی ہوں۔''

میں نے آنے والی بھاری بھرکم خاتون کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بھی برقعے میں لپٹی سر پر سکارف باندھے میرے لباس کی جانب غور سے دیکھ رہی تھی۔

دوکاندار نے جلدی سے ہمیں نبٹا کے اس کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ کالے موزے' کالا جبہ اور کالا ہی سکارف باندھے ہمیں غور سے دیکھ رہی تھی۔ ہم باہر جانے کے لیے دوکان کا دروازہ کھولنے ہی والے تھے۔۔۔۔۔۔۔کہ اس عورت نے مجھے مخاطب کیا۔

’’آپ پاکستانی ہیں۔‘‘

’’جی‘‘ میرے قدم وہیں پر رک گئے میں حیرانگی سے ایرانی عورت کی جانب دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ جو اردو بڑے شستہ لہجے میں بول رہی تھی۔

’’آپ کیا۔‘‘

’’میں بھی پاکستانی ہوں۔‘‘

میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

’’واقعی پاکستانی ہیں۔‘‘

’’بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔۔۔۔۔ مجھے یہاں پر آئے ہوئے پندرہ سال ہونے کو آئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ یہاں پر رہتے رہتے ان جیسا ہونا پڑتا ہے۔‘‘ دوکاندار حیرانگی سے ہماری بات چیت سن رہا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

’’آپ بھی فیروزے لینے کے لیے آئی ہیں۔‘‘

’’جی‘‘ وہ کاؤنٹر پر پڑے فیروزوں کی جانب دیکھتے ہوئے بولی اور مجھے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

’’یہ لوگ کافی ایماندار ہیں۔ جھوٹ کبھی نہیں بولتے۔‘‘

’’مگر سب تھوڑی ایماندار ہوتے ہیں‘‘ کیونکہ مجھے ہوٹل میں کسی نے بتایا تھا کہ ایرانی بھی دھوکے باز ہوتے ہیں۔‘‘

’’وہ تو ہر ملک میں لوگ ایماندار بھی ملیں گے اور بے ایمان بھی۔۔۔۔۔۔۔ مگر اکثریت یہاں کی ایماندار ہے۔‘‘

’’یہ سنتے ہی ریاض کے دوست کی بیوی نے وہاں سے کافی شاپنگ کر لی۔‘‘

میں نے اس سے پوچھا۔

’’پاکستان یاد نہیں آتا۔‘‘

’’پاکستان کو ہر لمحے ہم بہت یاد کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے کہ یہاں پر روزگار ہے اور کھانا پینا اور سر چھپانے کو اللہ کے فضل سے جگہ بھی ہے مگر کوئی ساعت ایسی نہیں جو اپنے ملک کو یاد نہ کریں۔‘‘

’’تو آپ واپس اپنے ملک چلی کیوں نہیں جاتیں۔‘‘

’’جانے کو تو آج چلے جائیں مگر پاکستان کے حالات پہلے جیسے نہیں رہے ہیں۔ ہماری بیٹیاں بڑی ہو رہی ہیں۔ ان کی شادیاں

بھی کرنی ہیں۔ مگر وہاں پر اتنی آمدنی ہے ہی نہیں کہ ان کی شادیاں کر سکیں۔ یہاں پر ہر طرح سے آرام ہے۔ باپردہ ملک ہے۔ یورپ امریکہ کی طرح بے حیائی نہیں جو دل کو کھٹکے۔ بیٹیاں یہاں پر نوکری کرتی ہیں۔ محفوظ ہیں۔۔۔۔۔۔۔ کسی قسم کی فکر نہیں ہے۔ موسیٰ الرضا سے ہم لوگوں کو بڑی عقیدت ہے۔ خدا نے ہماری سن لی ہے ورنہ بڑے خراب حالات میں ملک چھوڑا تھا۔ اب ہمارے حالات کافی بہتر ہیں۔ جانا بھی چاہیں تو جا نہیں سکتے۔‘‘

اس خاتون کی لمبی چوڑی باتیں سن کر ایک دم سے یاد آیا۔۔۔۔۔۔۔ کہ شام پانچ بجے کی فلائیٹ سے ہم تہران جانے والے تھے۔۔۔۔۔۔۔ تین بج چکے تھے میں نے اپنے میاں کو جب بتایا تو انہوں نے کہا۔

’’دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اب شاپنگ کا وقت نہیں ہے۔‘‘ مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ ہم ایران آئے تو بازار میں گھوم پھر بھی نہ سکے۔ چاروناچار ہمیں اس خاتون اور دوکاندار کو خدا حافظ کہہ کر واپس ہوٹل آنا پڑا تھا۔

جب ہم ہوٹل پہنچے تو ویٹر وفد میں شامل لوگوں کا سامان نیچے لا رہے تھے۔ گو کہ سارا سامان میں بھی باندھ چکی تھی مگر پھر بھی مجھے پیکنگ کے لیے اوپر جانا پڑا تھا۔ کمرے میں جو تھوڑا بہت سامان کھلا پڑا تھا میں اس کو باندھنے لگی۔۔۔۔۔۔۔ تو ویٹر نے دستک دی۔

’’کون ہے آجاؤ۔‘‘

میں نے سامان باندھتے ہوئے کہا۔

ویٹر اندر آ گیا۔

میں اسے اندر آتے دیکھ کر حیران سی رہ گئی کیونکہ بے خیالی میں میں نے اردو میں کہہ دیا تھا کہ ’’اندر آ جاؤ‘‘ تو وہ چلا آیا۔۔۔۔۔۔۔ اس کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’تمہیں اردو آتی ہے۔‘‘

’’جی‘‘ میں۔ نے حیران حیران سی نظروں سے اس کی جانب پھر دیکھا تو وہ اونچا لمبا سرخ و سپید نوجوان ڈیل ڈول سے بالکل ایرانی لگ رہا تھا۔

’’تم ایرانی ہو۔‘‘

’’جی نہیں میں پاکستانی ہوں۔‘‘

''کمال ہے میں تو تمہیں ایرانی سمجھ رہی تھی۔''

''بس جناب ان لوگوں کے ساتھ رہتے رہتے ان جیسا بننا پڑتا ہے۔''

''کب سے ہو ادھر۔''

''جی دو سال سے ہوں۔''

''کیوں پاکستان میں رہنا پسند نہیں ہے کیا۔''

''جی۔۔۔۔۔۔۔پسند تو ہے مگر۔''

''روزگار نہیں۔''

میں نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا۔

آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے جی۔۔۔۔۔۔۔ہماری پاکستان میں کوئی عزت نہیں تھی' ہر کوئی بے روزگار ہونے کے ناطے ہم سے کتراتا پھرتا تھا یہاں تک کہ قریبی رشتہ دار بھی دور بھاگتے تھے۔ مگر میڈم یہاں پر میں بہت خوش ہوں۔ اچھی تنخواہ اور کھانا مل جاتا ہے۔ کچھ روپے پاکستان ماں کو بھیج دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔بقایا رقم سے بیوی اور بچوں کا پیٹ آسانی سے پالتا ہوں۔''

اس وقت اتنی جلدی تھی کہ میں اس کے ساتھ مزید پوچھ گچھ نہیں کر سکتی تھی۔

ویٹر کو ٹپ دے کر میں نے سامان اس کو اٹھانے کے لیے دے دیا اور لفٹ کے ذریعے میں بمہ سامان کے نیچے آ گئی۔۔۔۔۔۔۔تمام لوگ جانے کے لیے تیار تھے۔

ہم لوگ بسوں میں بیٹھ کر ایئرپورٹ کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر اپنا اپنا سامان بس سے نکلوا کر بورڈنگ کارڈ لینے کی غرض سے کاؤنٹر کے قریب کھڑے ہو گئے۔ کافی دیر کھڑے رہنے کے بعد بورڈنگ کارڈ تو مل گئے۔ اب مسئلہ درپیش تھا کہ جانے سے پہلے اپنے سامان کی چیکنگ کروانی تھی۔ عورتوں نے ایک طرف باری باری چیکنگ کروانی شروع کر دی۔ خواتین کے سامان کے لیے عورتیں ہی چیکنگ پر مقرر تھیں۔ چیکنگ کرواتے وقت یہ محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے تہران جانے کے لیے پل صراط سے گزر کر جانا پڑے گا۔ ہر ایک کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہی تھیں۔ وفد کی ایک خاتون نے چادر کی بجائے دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔۔۔۔۔۔۔وہ چیکنگ بھول بھال کے اس پر ناراض ہو رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔کہ حجاب اسلامی کا اس کا خیال نہیں ہے۔''

وہ کھسیانی سی کھڑی تھی۔۔۔۔۔۔۔سب خواتین نے اپنی چادریں کس کر لپیٹ لیں۔

وہ کاتون مجھ پر گرم ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔کہ تمہارے ساتھ ہے اور تم نے اس کو کچھ نہیں بتایا۔''

مجھے فارسی کی سمجھ تو آ نہیں رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔مگر ناہید نے کچھ کچھ جانتے ہوئے مجھے سارا ماجرا کہا تو میری سمجھ میں آ گیا۔ بہتری اردو۔۔۔۔۔۔۔انگریزی میں معذرت کی مگر وہ غصے میں خار کھائے بیٹھی تھی۔ پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی تو وہ اس کے سامان کو چیک کرنے لگی۔

پاس کھڑی دوسری خواتین سہمے سے انداز میں کھڑی تھیں نہ جانے اب کیا ہونے والا ہے۔ پھر ایک دم سے مجھے اپنا وطن یاد آ گیا۔۔۔۔۔۔۔کم از کم وہ خواتین کی عزت تو کرتے ہیں مگر یہاں پر ہماری قدر ہی نہیں۔

اس پل صراط سے باری باری سب کو گزرنا تھا۔ خیر آدھے گھنٹے کی خواری کے بعد ہم لوگوں کو جانے کی اجازت مل گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے جیل سے رہائی مل گئی ہو۔۔۔۔۔۔۔ورنہ ان خواتین کو دیکھ کر یہ لگتا تھا کہ وہ بغیر جانچ پڑتال کئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیں گی۔

خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ہم جہاز میں سوار ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔اس جہاز میں ایک ہی کلاس تھی۔۔۔۔۔۔۔تمام مسافر اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے تھے۔۔۔۔۔۔۔جہاز میں داخل ہوتے ہی چند سیٹوں والا چھوٹا سا کمپارٹمنٹ تھا جہاں پر ہمیں جگہ ملی۔ ناہید پچھلی سیٹوں پر بیٹھی تھی۔۔۔۔۔۔۔کچھ دیر کے لیے اس کا ساتھ چھوٹ گیا تھا۔

میمونہ اور فرخندہ جو اسی جگہ میرے آس پاس بیٹھی تھیں اسی وفد میں ہمارے ساتھ سفر کر رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔میمونہ کی کھٹی میٹھی باتیں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

فرخندہ جو کہ میرے قریب ہی بیٹھی تھی۔۔۔۔۔۔۔اس نے بتایا کہ وہ بچوں کے ساتھ ہر سال یہاں پر آتی ہے۔

''ہر سال ایران کیوں آتی ہیں۔''

میرے میاں کو اور مجھے حضرت موسیٰ الرضا کے روضے میں حاضری دینے کی غرض سے آنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی ہمیں ایران بنسبت دوسرے ملکوں سے بہت اچھا اور سستا لگتا ہے۔ میں سال میں ایک ہی مرتبہ ساری شاپنگ یہاں سے کر لیتی ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ ایران بہت سستا ملک ہے۔''

''بہت ہی سستا۔'' پھر وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

''تو آپ نے شاپنگ نہیں کی کہ جو اندازہ نہیں ہو رہا۔''

''شاپنگ کا وقت نہیں ملا۔۔۔۔۔۔۔سنا ہے کہ تہران میں چیزیں سستی بھی ہیں اور عمدہ بھی۔''

''بالکل ٹھیک سنا۔''

''تہران بڑا شہر بھی تو ہے۔۔۔۔۔۔۔میرا خیال ہے مشہد جیسا ہوگا۔''

''مشہد کو تو کوئٹہ سمجھ لیں۔۔۔۔۔۔۔مگر تہران جا ہی رہی ہیں تو پتہ چل جائے گا۔۔۔۔۔۔۔کس قدر خوبصورت شہر ہے۔''

فرخندہ کی بات سے میں نے مزید معلومات کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

''جب ہر سال مشہد آتی ہیں تو تہران کا بھی چکر لگتا ہوگا۔''

''یہ کیسے ممکن ہے کہ مشہد آ کر تہران نہ جائیں۔۔۔۔۔۔۔تہران سے ہو کر میں واپس کراچی جاتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔یہ جو سفر میں کر رہی ہوں۔۔۔۔۔۔۔نہایت ہی آرام دہ ہے۔۔۔۔۔۔۔میں تو کوئٹہ سے بائی روڈ مشہد تک جاتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔پھر جہاز کے ذریعے تہران جاتی ہوں۔''

فرخندہ کی باتوں سے میں اخذ کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔کہ موسیٰ الرضا سے اس کو کتنی عقیدت ہے۔۔۔۔۔۔۔جان ہتھیلی پر رکھ کر بال بچوں سمیت وہ ایران کا چکر لگاتی ہے۔'' میں کھڑکی سے نیچے جھانکنے لگی تو میری سوچ بنجر پہاڑوں پر اٹک کر رہ گئی۔ سرمئی آسمان پر بادل کے ٹکڑے رقص کر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ پیاسے بنجر پہاڑوں کو وہ سیراب کرتے ہوئے انہیں سرسبز کر دیں گے ابھی یہاں تک ہی سوچا تھا کہ میری نظر۔۔۔۔۔۔۔بنجر پہاڑوں کی اوٹ میں چھپے سبزے کی طرف اٹھ گئی۔

کچھ حصے میں سبزہ ہی سبزہ دکھائی دے رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔بنجر پہاڑوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

مشہد اور تہران کا سفر پلک جھپکتے ہی ختم ہو گیا جہاز تہران کے ہوائی اڈے پر لینڈ کر چکا تھا اور ایئرپورٹ پر پی آئی اے کے منیجر ظہیر اور ان کی اہلیہ صبیحہ بیگم نے ہمیں خوش آمدید کہا۔۔۔۔۔۔۔ان کے علاوہ باقی عملہ بھی استقبال کے لیے آیا ہوا تھا۔ امیگریشن کے بعد سامان وصول کرنے والی جگہ پر آ کر اپنا اپنا سامان بسوں میں رکھوایا اور تہران کے ہما ہوٹل جس کا پہلے نام شیرٹن تھا۔۔۔۔۔۔۔روانہ ہو گئے۔

شام کے سائے ڈھلنے سے پہلے ہی ہم ہوٹل جانے والی بس پر سوار تھے۔ بس صاف شفاف سڑکوں سے پھسلتی ہوئی۔۔۔۔۔۔۔منزل مقصود پر جا رہی تھی۔ چوڑی کشادہ سڑک پر نہ صرف صفائی تھی بلکہ سڑک عمدہ ہونے کی صورت میں بس تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ راستے میں پام کے درخت ہمارے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے۔ کہیں کہیں سرو کے درخت بھی سر جوڑے نظر

آتے۔ چاروسو نگاہ دوڑائی تو حیرت گم ہو گئی یوں لگنے لگا کہ باہر کے ملک میں اب آئے ہیں۔ اونچی اونچی عمارتیں۔۔۔۔۔۔۔بڑے بڑے سٹور اور آسمان سے باتیں کرتے مینار دکھائی دے رہے تھے۔ مجھے ایسا لگنے لگا جیسے تہران نہیں بلکہ میں پیرس آ گئی ہوں۔۔۔۔۔۔۔کیونکہ تہران پیرس کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ایک جگہ سے بس گزری تو یوں لگا کہ پیرس کے شانزے لیزے میں سے گزر رہو رہا ہے۔ سفیدے کے درخت اپنی بہار آپ دکھا رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔موسم رنگین اور خوبصورت تھا۔

بس کے رکتے ہی خوابوں کا تسلسل ٹوٹ سا گیا اور ہم تہران کے ہما ہوٹل میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں پر لابی میں ہمارا استقبال ہوا اور کمروں کی چابیاں لوگوں نے وصول کرنا شروع کر دیں۔

ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد ہمارا سامان بھی ایئرپورٹ سے پہنچ گیا۔۔۔۔۔۔۔میں بمہ سامان اور شوہر کے اوپر کمرے میں آ گئی تھی۔

صاف شفاف' اجلا اجلا اور نکھرا نکھرا سا کمرہ بہت ہی بھلا لگا۔ میز پر حسب معمول پھل کی ٹوکری' جس میں سٹوبریز' چیریز اور کھرے رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کے پردے ہٹا کر باہر جھانکا تو سارا تہران خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ شام کے سائے ڈھل چکے تھے اور شہر کی روشنیاں اپنے جوبن پر تھیں۔ شیشوں سے چھن چھن کر لائٹیں کمرے کے حسن کو دوبالا کر رہی تھیں۔

منہ ہاتھ دھونے کے لیے غسل خانے میں قدم رکھا تو فرش چمکتا ہوا پایا۔ ہر چیز سے نفاست ٹپک رہی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو چکے تھے۔

نیچے لابی میں آئے تو مہمان گرامی پہلے سے ہی موجود تھے۔ ان کے ساتھ مل بیٹھے تھے۔ یوں گمان ہونے لگا تھا جیسے ہم ایک ہی خاندان کے افراد ہوں۔۔۔۔۔۔۔سب کی ایک دوسرے کے ساتھ دوستیاں ہو چکیں تھیں۔

بلقیس جی

میں نے مڑ کر دیکھا تو ناہید مسکراتے ہوئے ہمارے سامنے کھڑی تھی۔

''تم تیار ہو گئی ہو۔''

''بہت تھک گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔نہا کر تازہ دم ہو گئی ہوں۔۔۔۔۔۔۔یہ بتاؤ کہ کل کا کیا پروگرام ہے۔''

''کل۔''

میں نے قریب بیٹھے ہوئے میاں کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔۔۔۔۔۔۔انہوں نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے۔۔۔۔۔۔۔کہ ہم رضا شاہ پہلوی کا محل دیکھنے کے لیے جائیں گے۔''

ایک اور بہن نے ریاض سے پوچھا جو شیشے کا سامان لینا چاہتی تھیں۔

''ریاض بھائی۔۔۔۔۔۔۔تو بازار کب جائیں گے۔''

''بازار۔''

ریاض نے فوراً جواب دیا۔

''محل دیکھ کر جب واپس آئیں گے تو بازار بھی چلے جائیں گے۔

''اگر میرا مشورہ مانے تو کہوں۔''

''ضرور کہیں۔''

''یہاں کی حکومت بہت سخت ہے آپ شیشے کا سامان لینا چاہتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔یہ لوگ کھلا سامان حوالے کریں گے۔آپ کہاں سے پیکنگ کرواتی پھریں گی۔''

''آپ کو کس نے کہا۔۔۔۔۔۔۔کہ پیکنگ کر کے نہیں دیتے۔''

''بھابی بالفرض اگر پیکنگ کر بھی دیں تو۔۔۔۔۔۔۔جانے سے پہلے وہ سارا سامان کھول کر چیکنگ کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔چیزیں ان پیک تو ہو ہی جائیں گی۔''

ناہید نے افسردگی سے کہا۔

مگر میں نے تو لیمپ خریدنے تھے اور دیگر اشیا بھی لینی تھیں۔

''آپ ٹوٹنے والی چیز نہ خریدیں۔''

''اتنی دور آئی ہوں۔۔۔۔۔۔۔خریداری کر کے نہ جاؤں۔یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔میں تو بلقیس کو بھی کہہ رہی ہوں کہ گھر کے لیے کچھ خریدے۔''

''لو میں آپ کو منع کر رہا ہوں اور آپ اسے بھی۔۔۔۔۔۔۔خریداری پر اکسا رہی ہیں۔میمونہ قریب سے گزرتے ہوئے گویا

ہوئی۔۔۔۔۔۔۔سارے وفد میں میں نے ریاض بھائی کو بڑا خاموش پایا ہے۔۔۔۔۔۔۔بے چارہ بہت ہی شریف بندہ ہے۔دو خواتین شاپنگ پر اکسا رہی ہیں اور وہ صاف گوئی سے کام لے رہے ہیں۔سچ بہت بھولے ہیں اور سیدھے بھی ہیں۔''

''دیکھا کتنا بھولا ہوں۔''

میں نے میمونہ کو جواب دیا۔

''یہ بے چارے بہت بھولے اور جلیبی کی طرح سیدھے ہیں۔''

''بھئی مسئلہ کیا درپیش ہے۔''

''میمونہ بہن یہ دونوں خواتین شاپنگ کرنا چاہتی ہیں مگر میں ان کے فائدے کے لیے روک رہا ہوں کہ راستے میں چیزیں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔''

''ریاض بھائی آپ ان کا فائدہ مت سوچیں۔۔۔۔۔۔۔ان کو من مانی کر لینے دیں۔۔۔۔۔۔۔نقصان بھی تو انہیں کو ہونا ہے۔''

''آخر آپ بھی تو ایک عورت ہیں۔''

ریاض کی بات سے میمونہ کھل کھلا کر ہنس پڑی اور جواب دیتے ہوئے بولی۔

آپ بازار کا پروگرام بنا رہی ہیں اور وہاں پر گرما گرم پروگرام شاہ پہلوی کے محل کو دیکھنے کا بن رہا ہے۔

''میں تو صبح محلات کی سیر کروں گی۔''

میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

ناہید نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

بلقیس جی تہران دیکھ لیا ہے۔سمجھ لیں محل بھی دیکھ لیے ہیں صبح بازار چلتے ہیں۔

عورت ہونے کے ناطے چند لمحوں کے لیے میں ڈگمگا گئی۔میمونہ میری کیفیت بھانپ رہی تھی۔ریاض بھی حیرانی سے میری جانب دیکھ رہے تھے کہ یہ بازار کی بجائے محل دیکھنے کی خواہش کر رہی ہے۔

''پھر کیا کیا فیصلہ۔''

ناہید کی بات سے میں نے جھٹ سے جواب دیا۔

ناہید محل دیکھنے کے بعد وقت مل گیا تو بازار بھی دیکھ لوں گی۔

میں نے جواب دیا ہی تھا کہ حسن آرا' فرخندہ اور نصرت بمعہ اپنی نند کے وہاں آ گئیں۔۔۔۔۔۔۔ناہید کو مایوس دیکھ کر حسن آرا نے حامی بھر لی کہ وہ صبح ناہید کے ساتھ بازار چلی جائے گی۔۔۔۔۔۔باقی وفد میں آئی خواتین محل دیکھنے کی خواہش مند تھیں۔

دروازے کے عین سامنے ہم لوگ بیٹھی تھیں ہر آنے والے پر ہماری نظر پڑتی۔۔۔۔۔۔تہران مشہد کی نسبت تھوڑا سا موڈرن لگا کیونکہ یہاں پر نوجوان لڑکیوں نے بے شک سکارف باندھا ہوتا مگر ہلکے ہلکے میک اپ میں نظر آتیں۔

ابھی ہم بات چیت ہی کر رہی تھیں کہ ہمیں ڈائنگ ہال میں کھانے کے لیے بلایا گیا۔ چاول اور چلوں کباب کھا کھا کر دل تنگ پڑ چکا تھا۔ میز پر مینوں بک پر نظر پڑی تو ناہید خوش ہوتے ہوئے دیکھنے لگی اور اس نے چکن برگر کا آرڈر دے دیا تھا اور اسی طرح سبھی لوگوں نے اپنے من پسند کھانے کا آرڈر دے دیا۔ ڈائنگ ہال میں خاصی گہما گہمی تھی۔ حسب معمول بڑی بڑی سلاد کی پلیٹیں ہمارے سامنے رکھی گئیں۔

سلاد آ چکا تھا سبھی رغبت کے ساتھ کھا رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔اچانک میری نظر ننھی سی بچی پر پڑی جو ماں کی گود میں چپ چاپ بیٹھی سب کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں سوچ رہی تھی اس وفد میں اس ننھی سی جان کی کتنی شان ہے ہر کوئی اس سے پیار کرتا۔۔۔۔۔۔یا دور سے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا۔ وہ اتنی سی عمر میں اتنی سمجھدار تھی کہ ہولے ہولے مسکراتی۔۔۔۔۔۔جو کوئی پاس آنے کے کہتا تو ماں کی گود میں منہ چھپا لیتی۔ اس وقت بھی وہ ہشاش بشاش سی دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے وہ لوگ اور ماحول اس کے لیے اجنبی نہ تھے۔ ہر ایک سے انس سا محسوس کر رہی تھی۔

حسن آرا نے حامی بھر کے ناہید کو مطمئن کر دیا تھا وہ مزے مزے سے سلاد کھا رہی تھی اور چکن برگر کا انتظار بھی۔۔۔۔۔۔۔برگر تو نہ آ سکا۔۔۔۔۔۔۔خمیری روٹی تلوں والی اور پنیر میزوں پر رکھا جا رہا تھا۔ کھانے کا انتظار جاری تھا۔ بیرے پھرتی دکھاتے ہوئے ادھر سے ادھر بھاگے جا رہے تھے۔ جیسے ان کو ایسوسیکشن بھر دیا گیا تھا۔ اتنی پھرتی دکھانے کے باوجود گھنٹہ ہونے کو آیا تھا مگر کھانا ابھی تک نہیں لائے تھے۔

ناہید ہماری میز کے قریب ہی بیٹھی تھی۔

''بلقیس جی۔۔۔۔۔۔۔نہ جانے کھانا لانا بھول گئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔گھنٹہ تو ہو چکا ہے۔''

''واقعی ہی ان کو کھانا سرو کر دینا چاہیے تھا۔'' ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ وفد میں آئی ہوئی ایک بہن جس کا شوہر ساتھ نہیں آ سکا

تھا وہ گویا ہوئی۔

''یہ لوگ تو تین تین گھنٹے کھانا ہی کھاتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔سلاد کھاتے ہیں اور پنیر اور روٹیاں کھانے کے بعد کولڈ درنگ لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔پھر گھنٹوں بیٹھنے کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔''

اس کی بات سن کر حیرانگی ہو رہی تھی۔ کوئی جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ بیرا کولڈ ڈرنگ لے آیا۔ تو ہم نے انگریزی میں اسے کھانا لانے کے لیے کہا۔

تو سلاد کی پلیٹ کو دیکھ کر بولا۔

''آپ نے یہ ختم نہیں کیا تو کھانا کیونکر لائیں۔''

''اتنی بڑی پلیٹ ہم نہیں کھا سکتے'' میری بات سے وہ حیرانگی سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر نہیں کھانا تو میں کھانا لے آتا ہوں'' ویٹر سلاد کی پلیٹ اٹھا کر لے گیا۔ پلیٹ کے اٹھانے کی دیر تھی کہ آڈر کے مطابق کھانا میزوں پر لگنا شروع ہو گیا۔

ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ لوگ ہمیں کیا اتنا ہی پیٹو سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔بڑے بڑے نان وہ بھی پنیر کے ساتھ اور یہ سلاد کی بھری پلیٹ کھا کر کون کھانا کھائے گا۔''

وہ خاتون جھٹ سے گویا ہوئی۔

مگر یہ لوگ سب کچھ رغبت سے کھا جاتے ہیں۔ ویسے بھی میز پر وہ کھانا جلدی سرو نہیں کرتے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دس بجے کھانا کھانا ہو تو ان کو آٹھ بجے آڈر دے دیا جائے۔''

ناہید کی بات کی اس خاتون نے بھی تائید کی۔

''یہ قوم ست لگتی ہے۔''

ناہید نے برگر کھاتے ہوئے کہا۔

''اب آرام سے کھاؤ۔۔۔۔۔۔۔ورنہ کھانا اٹھا کر لے جائے گا۔''

''مجال ہے لے جائے۔''

''ناہید کی اس بات سے میں نے جواب دیا۔

جانتی ہو ساتھ والی میز پر بیٹھے صاحب نے سلاد کی پلیٹ اٹھانے کو کہا۔ تو ویٹر اس کے سامنے رکھا ہوا کھانا بھی اٹھا کر لے گیا اور وہ بے چارا اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔

ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہاں ایسا نہیں کرے گا۔''

''کیوں نہیں کرے گا۔''

''کیونکہ میں نے غصے سے کھانا مانگا تھا۔۔۔۔۔۔۔تب کہیں لے کر آیا تھا اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ مجھے بھوک بہت لگی ہے۔''

''ضروری نہیں کہ وہی بیرا تمہارا کھانا اٹھائے۔۔۔۔۔۔۔کوئی اور بھی آ کر لے جا سکتا ہے۔''

''چلیں دانے دانے پر مہر ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔اگر مہر لگی ہوئی ہے تو ضرور کھالوں گی۔''

''ہم عورتوں نے اپنا الگ سے ٹولہ بنایا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔مگر مرد حضرات نے کھانا کھاتے وقت صبح کا پروگرام سیٹ کر لیا۔۔۔۔۔۔۔طے یہ پایا تھا کہ سات اور آٹھ کے درمیان ناشتہ کرتے ہی ہم نو بجے کے قریب بسوں میں بیٹھ جائیں گے۔

''ٹھیک نو بجے۔''

ناہید بڑبڑائی۔

میں تو نہیں جا رہی۔۔۔۔۔۔۔آپ لوگ سات بجے کی بجائے صبح چھ بجے ناشتہ کے لیے آ جائیں۔۔۔۔۔۔۔ان کی رفتار بہت ست ہے۔ یہ نہ ہو کہ بغیر ناشتہ کے ہی جانا پڑے۔''

ناہید کی بات سن کر سب کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔۔۔۔۔۔۔ننھی سی جان سب کو ہنستے دیکھ کر ماں کی گود میں مسکرا رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔جیسے سب باتوں کی اس کو سمجھ تھی۔

صبح ناشتہ کے لیے لابی میں پہنچے تو ڈرائنگ ہال میں سب کو ناشتہ کرتے ہوئے پایا۔۔۔۔۔۔۔ناہید کی بات سچ ثابت ہوئی۔ پورے آٹھ بجے ناشتہ کے لیے آڈر دیا اور حسب معمول انتظار کرتے رہے۔ پورے نو بجے کے قریب ناشتہ ہماری میز پر چن دیا گیا۔ سب لوگ تو فارغ ہو چکے تھے مگر ہمارے ساتھ والی میزوں پر اکا دکا مسافر ناشتہ کرنے میں مشغول تھے۔

ناہید اور حسن آرا میرے قریب آتے ہوئے بولیں۔

''تم محل دیکھنے کی غرض سے جا رہی ہو۔''

''ہونہہ۔''

میں نے بڑے وثوق کے ساتھ جواب دیا۔

''اچھا چلی جاؤ۔۔۔۔۔۔۔میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔''

''کرنا بھی نہیں چاہیے۔۔۔۔۔۔۔میں اتنی دور سے سیاحت کی غرض سے آئی ہوں میرا جانا ضروری ہے۔''

''اچھا بابا جاؤ۔''

وہ مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔۔۔۔۔۔۔سب لوگوں کو جانے کی اتنی جلدی تھی کہ ہم ٹھیک طرح سے ناشتہ بھی نہ کر سکے اور باہر بس میں آ کر بیٹھ گئے۔

شاید ہمارا ہی انتظار مقصود تھا کہ بس چل پڑی۔ دن کے وقت تہران شہر کو دیکھنے کا موقع مل گیا تھا چوڑی اور کشادہ سڑک پر بس اپنی مخصوص رفتار پر چل رہی تھی۔ پام کے درخت سارے راستے ہمارے ہم سفر بنے بس کی رفتار سے بھاگے جا رہے تھے۔

ہوٹل سے لے کر شاہ پہلوی کے محل کا راستہ بہت ہی خوبصورت تھا نہ صرف پام کے درخت نظر آئے' بلکہ جگہ جگہ گلاب کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ جا بجا سبزہ اپنی بہار آپ دکھا رہا تھا۔ موسم بھی اس وقت دلفریب ہو گیا تھا' نہ جانے اس وقت ہوا کہاں چھپی بیٹھی تھی۔ بس ایک مقام پر جا کر رک گئی۔

نیچے اتر کر پہاڑی کو نیچے سے دیکھا تو چوٹی پر محل مسکراتا ہوا ہم سے ہمکلام ہونے کی کوشش کر رہا تھا' چھپی ہوئی ہوائیں گلاب کے پھولوں کا منہ چومتی ہوئیں ہم تک پہنچ گئی تھیں۔۔۔۔۔۔۔جگہ جگہ فارسی کے کتبے آویزاں تھے' جن پر لکھا ہوا تھا عبرت گاہ ہے اور سوزیوں کا مسکن رہا ہے۔ یہ محل پہاڑ کے دامن میں چناروں' ایری کسیرہ' چیڑ اور پھل دار درختوں کے جھنڈ میں بنا ہوا تھا۔

ہم نے چڑھائی چڑھتے ہوئے دائیں طرف نگاہ دوڑائی تو چنار کے درخت اوپر سے ایسے ملے ہوئے تھے کہ دھوپ خال خال ہی ان میں داخل ہوتی تھی۔ درختوں سے لپٹی چوٹیاں سو ڈیڑھ سو فٹ سے آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ ہمارا سفر جاری تھا۔ محل دیکھنے کا تجسس بڑھ رہا تھا۔ دور سے محل نظر آنے لگا' چاروں طرف سبزہ آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہا تھا۔ محل کے لان اتنے سر سبز تھے' یوں لگتا تھا کہ سبز رنگ کی ویلوٹ بچھی ہوئی ہے۔ ہر کوئی خاموشی سے چلا جا رہا تھا۔ ہمارے گائیڈ نے چڑھائی چڑھتے ہوئے کہا کہ یہ محل صرف ایک

نہیں بلکہ اسی طرح کے اٹھارہ محل ہیں' جن میں سے یہ ایک ہے۔ رضا شاہ پہلوی یہاں پر صرف تین ماہ قیام کرتا تھا' باتیں کرتے کرتے ہم اوپر پہنچ گئے۔ محل کے نگرانوں نے جب ہمیں دیکھا تو سب سے پہلے ہمیں حکم دیا گیا کہ ''جوتیاں باہر ہی اتار کر اندر آئیں۔'' ہم نے ان کے کہنے پر جوتیاں باہر ہی اتار دیں اور محل کے اندر داخ ہو گئے۔ اندر جا کر لابی میں عقل دنگ رہ گئی۔ انتہائی خوبصورت نازک کام والا قالین بچھا ہوا تھا' جس کو تیار کرنے میں پندرہ بیس سال ضرور لگے ہوں گے اور بے حد خوبصورت سونے چاندی کی گھڑیاں اور بت موجود تھے۔ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے تو شاہ کا ڈرائنگ روم دیکھا اس میں لابی سے بھی زیادہ قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ خوبصورت پینٹنگ دیواروں پر آویزاں تھیں۔ قالین کے ہم رنگ پردے اور فرح اور شاہ پہلو کے سٹیچوز بھی ایک کونے پر سجے ہوئے تھے۔ عمدہ قسم کے کرسٹل زیبائش کے لیے رکھے ہوئے تھے۔ ہمارا گائیڈ ساتھ ساتھ قالینوں کی لمبائی اور چوڑائی بھی بتا رہا تھا اس کے کہنے کے مطابق 73 یا 75 میٹر سے کم کوئی قالین نہیں تھا۔ چھتوں پر قیمتی فانوس اور بعض چھتوں پر سونے کا کام بنا ہوا تھا ویسے رضا شاہ پہلو کا محل دیکھنے میں کوئی اتنا نادر نہیں لگتا تھا اب تو پاکستان کے کئی گھر اسی طرح کے سجے ہوئے ملتے ہیں۔ بات حیرت کی یہ تھی جو سونے کا بیش بہا استعمال تھا ڈرائنگ روم کے باہر شوکیسوں میں سونے چاندی کے ظروف اور چھتوں پر قیمتی فانوس لگے ہوئے تھے۔ ہر کمرے کے باہر شوکیس میں سونے سے تیار کردہ چیزیں بہتات میں موجود تھیں۔

ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے اور باہر کھڑے ہو کر اس کو غور سے دیکھا تو آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ اس میں قیمتی کرسٹل اور منقش کراکری موجود تھی۔ سائیڈ بورڈ کا کام لکڑی اور سونے سے بنا ہوا تھا۔ سب سے زیادہ جو چیز اپنی طرف کھینچ رہی تھی وہ شاہ کا ڈائنگ ٹیبل تھا جس پر کرسٹل کے برتن بمعہ چھری کانٹوں سے لگے ہوئے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ رضا شاہ پہلوی کہیں باہر گیا ہوا ہے ابھی لوٹے گا اور میز پر کھانا لگا دیا جائے گا اور وہ کھانے میں مصروف ہو جائے گا۔ پھر انسان کی بے ثباتی یاد آ گئی۔ اس محل کو دیکھ کر بار بار خیال پیدا ہو رہا تھا کہ ہر چیز نے فنا ہو جانا ہے۔ اس حکمران کے بارے میں احساس ہو رہا تھا' اتنے عیش و آرام کی زندگی گزارنے کے بعد آخر انجام کیا ہوا۔ اپنے ملک میں کفن پہننا بھی نصیب نہ ہوا۔ واقعی ہی اس محل کے باہر کتبہ آویزاں تھا۔ محل دیکھ کر خیال پیدا ہوا کہ واقعی ہی یہ محل عبرت گاہ ہے۔ انسان خدا کے آگے بے بس اور حقیر شے ہے۔ جب چاہے خدا کا قہر اس پر نازل ہو سکتا ہے۔

کھانے کا کمرہ دیکھنے کے بعد ہم لوگ شاہ کا دفتر دیکھنے چلے گئے۔ یہاں پر بھی جو قالین بچھا ہوا تھا وہ بھی نیلے رنگ کا پھول بوٹوں سے مزین تھا۔ اس قالین کا کام بھی نہایت ہی باریک اور نفیس تھا۔ بہت ہی قیمتی فرنیچر اور سونے کی چیزیں یہاں پر بھی موجود تھیں اور

گمان ہوتا تھا کہ شاہ ابھی کہیں باہر سے آ جائے گا اور دفتر میں بیٹھ کر اپنا کام شروع کر دے گا۔

دفتر میں کھڑے ہو کر دور نگاہ پڑی تو فرح اور شاہ پہلوی کے سنہری سٹیچوز یہاں سے بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے ان سٹیچوز کو دیکھ کر سوچا۔ ''یہ لوگ اب کہاں ہیں۔ واقعی سب کچھ یہیں رہ جانا ہے اس محل کو دیکھ کر بجائے خوش ہونے کے میں اداس ہو گئی تھی۔ یہ سونے چاندی کے ظروف' قیمتی فرنیچر' کرسٹل' اور فانوس۔۔۔۔۔۔ دنیا کی قیمتی سے قیمتی اشیا تو ایک طرف ایک تنکہ تک اپنے ساتھ نہیں لے جا سکے تھے۔ پھر انسان کسی چیز پر اتراتا ہے' دیکھا جائے تو وہ بڑی ہی چھوٹی شے ہے۔

''چلو بلقیس فرح کا بیڈروم بھی دیکھیں'' ریاض کی آواز سے میری سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا اور میں جیسے سوتے سے جاگ گئی۔

ملکہ فرح دیبا کی خواب گاہ کے قریب میرے قدم جم سے گئے۔ وہاں پر ہر چیز بڑے ہی قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ اتنی خوب صورت مسہری بچی تھی۔ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ابھی خواب سے بیدار ہو کر کہیں گئی ہے اور ملازمین نے کمرہ صاف ستھرا کر دیا ہے۔

یہ خواب گاہ بھی بہت بڑی تھی۔ جس میں مسہری کے ہم رنگ پردے آویزاں تھے۔ ایک بات قابل غور تھی کہ ہر بیڈروم میں نیلا کارپٹ اور پردے لٹکے ہوئے تھے۔ شاید شاہ پہلوی کو نیلا رنگ بہت خوبصورت لگتا تھا۔ بیڈروم کے سامنے کھڑے تھے پھر اچانک ایسا محسوس ہونے لگا جیسے فرح ابھی کہیں سے آ جائے گی اور بستر پر لیٹ کر تھوڑی دیر کے لیے آرام کرنے لگے گی۔

خواب گاہ دیکھنے کے بعد کئی اور بھی بیڈروم دیکھے ایک سے ایک بڑھ کر قیمتی' قدیم نوادرات کی بھرمار تھی' جن کو دیکھنے کے لیے ایک مہینہ چاہیے۔

محلوں میں سے ایک اور محل میں ہمیں لے گئے' جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ جس کے فرش مختلف رنگوں کے سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے۔ بتایا گیا کہ اس محل میں ملکہ کی ماں رہتی ہے۔ وہاں پر کھڑے ہو کر سامنے جو دیکھا تو برف کے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔ منظر اس قدر دلفریب تھا کہ جی چاہتا تھا وہیں بیٹھے رہیں۔ یہاں پر بڑا ہی خوبصورت چپس روم تھا۔ اس کے قریب ہی فرش پر ایک غریب عورت کی تصویر پڑی تھی جو بے سروسامان بیٹھی تھی اس کی آنکھوں میں اداسی چھلک رہی تھی' سوکھا روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھا۔ یعنی غریب لوگ سوکھے ٹکڑوں کو ترس رہے تھے۔ ادھر یہ لوگ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے رہے فرح تو ایک طرف حیرانگی کی بات ہے کہ اس کی ماں کا بیڈروم دیکھ کر عقل دنگ رہ گئی۔ کہاں لوگ روٹی کے لیے سرگرداں تھے اور کہاں یہ لوگ قیمتی فرنیچر اعلیٰ سونے چاندی کے ظروف اور خوب صورت محلوں میں رہتے رہے اور وہ لوگ فاقے کاٹتے رہے' شاید انہی کی وجہ سے یہ زوال آیا تھا۔ خیر بات ہو رہی تھی فرح کی ماں کے محل کی۔۔۔۔۔۔۔ بیڈروم میں اعلیٰ مسہری اور قیمتی فرنیچر کے علاوہ المار ی کا پٹ

کھلا تھا خوب صورت دیدہ زیب لباس نظر آ رہے تھے اور اسی کے ہم رنگ قیمتی جوتے جو کہ اوپر کے خانے میں سجے ہوئے تھے۔ اگر یہ لباس اور جوتیاں ماں کی تھیں تو بیٹی کیا کچھ نہ پہنتی ہو گی۔ سارا فرنیچر اخروٹ کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ یہاں پر بھی شوکیسوں میں سونے چاندی کے ظروف اور دیگر اشیا موجود تھیں۔ اسی طرح فانوس' قیمتی قالین اور نہ جانے کیا کچھ تھا یہاں جو بیان نہیں کیا جا سکتا سیڑھیاں اتر کر نیچے لابی میں آئے تو بڑی بڑی پینٹنگ کے علاوہ شوکیسوں میں ہندوؤں کے بت جو صندل کی لکڑی سے بنے ہوئے تھے۔ نظر آئے ''شیواجی کے بت'' جس پر لکھا تھا ''Sandal wood and Ivory India'' شیشوں سے باہر کا منظر بہت بھلا لگ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ چاروں طرف سبزہ پھیلا ہوا تھا اور گھنے درخت سر جوڑے ہوا کے ہلکوروں سے جھوم رہے تھے۔

ہمارے وفد کے سبھی لوگ ذوق وشوق سے محلات کی سیر کر رہے تھے بعض لوگوں کی رائے تھی۔ ''جیسا سنا تھا کہ رضا شاہ پہلوی کا محل بہت خوبصورت ہے ویسا دیکھنے میں نہیں ہے۔ اب تو پاکستان میں اس محل کے نقشے کے گھر نظر آتے ہیں۔'' وہ صاحب ٹھیک فرما رہے تھے مگر مجھے دوبارہ کہنا پڑے گا کہ قیمتی فرنیچر' مینچوز اور کرسٹل کا سامان ضرور ملے گا۔ مگر سونے کا استعمال ابھی تک ہمارے ملک کے گھروں میں نظر نہیں آئے گا جو کہ اس محل میں موجود ہے۔

ہم لوگ محل سے واپس بس کی جانب آئے ہی تھے۔۔۔۔۔۔ کہ باداموں کے پیکٹ اور کوکا کولا سے ہماری تواضع کی گئی۔ سب لوگوں کی مختلف رائے تھی۔ کئی لوگوں کو محل بہت پسند آئے اور بعض لوگ اپنے پاکستان کے گھروں کو ترجیح دے رہے تھے۔ میں سوچ رہی تھی ملک غریب سہی مگر رہنے والے امیر ترین لوگ ہیں۔ شاید ایسے گھر ان کے پاس ہوں۔

محل دیکھنے کے بعد جب ہوٹل پہنچے تو سب کی خواہش تھی کہ تھوڑی سی شاپنگ کی جائے۔۔۔۔۔۔ کئی لوگ تو شاپنگ کی خاطر محل بھی نہ دیکھنے گئے تھے۔ لوگوں کے بھرپور اصرار سے صبیحہ بیگم جو کہ پی آئی اے منیجر کی اہلیہ تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کو خواتین کی خواہشات کے بارے میں بتایا کہ وہ شاپنگ کے لیے بضد ہیں۔ انہوں نے مجبوراً وفد کے لوگوں کے لیے بازار جانے کا بندوبست کر دیا۔

چار بجے کے قریب ہم سب دو بسوں میں بازار کی سمت جا رہے تھے۔ میمونہ کی کھٹی میٹھی باتیں' نصرت کی شرارتی آنکھیں اور حسن آرا کی معصومیت لیے ہم بازار گئے اور ایک ہینڈی کرافٹ کی دکان پر بسیں رک گئیں۔ شاپنگ کے لیے صرف ڈیڑھ دو گھنٹے دیئے گئے تھے۔ وقت کم اور مقابلہ سخت سمجھ لیں۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے شہد کی مکھیاں کسی چھتے سے نکل کر دوکاندار پر جھپٹ پڑی ہوں۔

بڑی سی دوکان جہاں پر لکڑی پر میناکاری کیے فریم۔۔۔۔۔۔ شیشے کے برتن سجاوٹ کی چیزیں اور نہ جانے کیا کچھ تھا۔ انجان شہر انجان لوگ جو چیز اٹھائیں اور اس کی قیمت معلوم کریں تو ہزاروں تومان بتائی جاتی مگر جب پانچ یا چھ پر تقسیم کیا جاتا تو چند ریال کی رہ جاتی۔۔۔۔۔۔ دوکان کے اندر ایک حشر برپا تھا' دوکان دار فارسی پہ فارسی بولے جا رہے تھے اور لوگ یعنی گاہک اشارے کنایوں سے انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

شاپنگ کے دوران ننھی سی بچی جس کو اس کے باپ نے اٹھایا ہوا تھا وہ بھی ہمارے ہمراہ تھی وہ چپ چاپ اس سرگرمی کو دیکھ رہی تھی۔

''ناہید نے شیشے کی صراحی کو دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔''

''یہ بہت خوب صورت ہے اس کو خرید لو۔''

''مگر'' میں نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔

''کہ ریاض کہتے ہیں کہ سامان جاتے وقت کسٹم والے کھول کر دیکھیں گے۔''

''تو کھول لیں۔۔۔۔۔۔ میں تمہیں دوبارہ اسی طرح پیک کر دوں گی۔''

میں اسی شش و پنج میں پڑی تھی کہ ریاض نے دوکان کے کسی کونے سے برآمد ہوتے ہوئے کہا۔

''جو لینا ہے جلدی سے لے لو۔''

''مگر قیمت کا میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکتی۔''

''اگر تو لینا ہے تو قیمت کا مت سوچو ایک آدھی سجانے کی چیز لے لو اور دیکھا جائے تو ہمارے ملک میں کس چیز کی کمی ہے۔''

''سجانے کی ہی کہہ رہی ہوں'' میں نے عاجزی سے جواب دیا۔

''بس والا ہارن پہ ہارن دے رہا ہے۔ جو لینا ہے جلدی کرو۔'' میں نے تو ایک آدھ فریم اور صراحی پر اکتفا کیا مگر ناہید نے شیشے کا سامان بھی لے لیا۔ جو اٹھانا مشکل تھا۔ مگر ہے بہادر خاتون۔

یہاں سے فارغ ہو کر انہوں نے بادام اور پستے کی دوکان پر ہلہ بول دیا۔ ایک بار پھر مکھیاں دوکاندار پر جھپٹ پڑی تھیں۔ وہ اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر گھبرا سے گئے۔ اتنی آرام طلب قوم اور جیالوں قسم کے لوگوں کو برداشت کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ پستے بادام' مٹھائی اور چاکلیٹ سبھی کچھ خریدا جا رہا تھا۔ مگر لاہور میں اس وقت سخت گرمی تھی۔ یہ لوگ'' یہ چیزیں کہاں کھائیں

گے۔‘‘میں نے حیرانگی سے سوچتے ہوئے میاں سے پوچھا’’اگر لینا نہیں تو مت لو ہم کچھ اور دیکھ لیتے ہیں۔ وہ ساتھ والی دوکان میں گھس گئے۔ سارا وقت مجھے شاپنگ پر باز کرتے رہے اور اچانک کیا خیال آیا کہ دوسری دوکان میں گھس گئے تھے شاید جوتوں کی دوکان تھی۔ میری ہنسی چھوٹ گئی یہ شخص بھی عادت سے مجبور ہے ونڈو شاپنگ کرنا اس کی عادت ہے۔

بس نے جب زوردار ہارن دیئے تو لوگوں نے دوکانوں سے نکل نکل کر بس میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ سب لوگ بیٹھ چکے تھے اور میرے شوہر نہ جانے کہاں چھپے بیٹھے تھے بس نے جب کافی مرتبہ ہارن دیا تو مجھے بس سے اترنا پڑا۔۔۔۔۔۔۔ میں نے جوتوں کی دوکان میں سے ان کو برآمد کر لیا۔

’’کمال ہے سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ یہاں چھپے بیٹھے ہیں۔‘‘

وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے بس تک آئے اور خاموشی سے بیٹھ گئے بس چل پڑی تو ناہید نے مجھے اکسایا۔

’’تم نے لیمپ نہیں خریدے۔۔۔۔۔۔۔ خدا کے لیے خرید لو بہت خوبصورت ہیں۔‘‘

’’تم نے کب خریدے۔‘‘

’’بھئی صبح جب تم محل دیکھنے گئی تھی تو میں نے لیمپ اور لائیٹ خریدی ہے۔ بہت ہی سستی اور خوبصورت ہے۔‘‘

کافی لوگوں کی نیت واپس ہوٹل جانے کی نہیں تھی‘ وہ مزید ارشاپنگ کرنا چاہتے تھے۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے ریاض سے کہا۔

’’چلو ہم بھی راستے میں اتر جاتے ہیں۔‘‘

’’اور واپس کیسے آئیں گے۔‘‘

’’انہیں لوگوں کی طرح ٹیکسی پر آجائیں گے۔ تہران شہر کے بازار تو دیکھے ہی نہیں۔‘‘

میری بات سے میرے میاں لاجواب ہو گئے۔ راستے میں بس رکی تو کچھ لوگ اتر گئے‘ میں نے بھی اپنا سامان فرخندہ اور ناہید کے حوالے کیا اور راستے میں ہی اتر گئی۔

ریاض خاموشی سے چلے جا رہے تھے۔ سڑک کے دونوں طرف شیشے کے سامان اور کرسٹل اور برقی لیمپوں کی دوکانیں تھیں ایک دوکان میں داخ ہوئے تو وہاں پر اٹلی اور سپین کی بنی چیزیں تھیں جو کہ بے حد مہنگی تھیں۔ ایران کی چیزیں ان کے آگے کچھ نہیں تھیں۔ دوکانوں میں رش بالکل نہیں تھا۔ دوکاندار صبر و تحمل سے بیت چیت کرتے جیسے گاہک کے مرہون منت پر تھے۔۔۔۔۔۔۔ چاہے تو خرید لے‘ ورنہ انہوں نے خریدنے پر مجبور نہیں کرنا۔

اس دوکان کے بالکل سڑک پار مخالف سمت پر اسی قسم کی دوکان تھی۔

دوکان میں داخل ہوئے تو خوشبوؤں میں بسی خوب صورت موٹی تازی عورت نے ہمارا استقبال کیا۔ اس کا خاوند کاؤنٹر پر بیٹھا تھا۔ وہ اٹلی کی بنی ہوئی چیزیں دکھا رہی تھی۔ اتنی با اخلاق خاتون میں نے سارے تہران میں نہ دیکھی تھی۔ ایک سجاوٹ کی چیز پسند آ چکی تھی۔ مگر وہ قیمت بہت زیادہ بتا رہی تھی۔ میرے میاں نے اس کے ساتھ فارسی میں بات چیت کی تو وہ کم قیمت پر دینے کو تیار ہو گئی اور کہنے لگی۔’’ایک درخواست کرتی ہوں اگر آپ پوری کر دیں۔‘‘

’’کیا۔‘‘

میاں نے حیرانگی سے پوچھا۔

’’میں بہت موٹی ہو گئی ہوں‘ میرا دل سمارٹ بننے کو کرتا ہے۔ آپ پاکستان سے پتلا کرنے کی گولیاں بھجوا دیں۔‘‘

’’پتلا کرنے کی‘‘ ریاض نے حیرت سے پوچھا۔

’’جی۔۔۔۔۔۔۔ میری سہیلی نے وہی گولیاں کھائی ہیں اور اس نے تیس پاؤنڈ وزن کم کیا ہے۔‘‘

’’میں حیران ہوتے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ پاکستان میں رہتے ہوئے میری نظر سے وہ گولیاں کبھی گزری ہی نہیں تھیں۔ مگر ایران میں دبلا کرنے کی گولیوں کی مشہوری پھیلی ہوئی تھی۔ میں سوچ ہی رہی تھی کہ چائے اور بسکٹ ہمارے سامنے رکھتے ہوئے اس نے بتایا کہ’’مجھے پاکستان دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور جی تو کرتا ہے بقایا اسلامی ممالک دیکھے جائیں۔‘‘

’’پاکستان ضرور آئیں۔‘‘

’’میں اگر آئی تو آپ کے گھر ہی ٹھہروں گی‘‘ وہ اتنی جلدی مجھ سے گھل مل گئی۔ میں حیرانگی سے اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے پلکیں اوپر اٹھائیں اور میرے منہ سے نکل گیا۔

’’بڑے شوق سے آئیں۔‘‘

آپ پاکستانی واقعی بہت اچھے ہوتے ہیں‘ پتہ نہیں قسمت میں پاکستان دیکھنا ہے کہ نہیں۔ مگر آپ کی دعوت سے میں محظوظ ہوئی ہوں۔‘‘ اس خاتون سے ہم نے درخواست کی کہ ہمیں ٹیکسی منگوا دیں۔ یہ سنتے ہی اس کے شوہر نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

’’ہم اپنی گاڑی سے آپ کو ہوٹل تک چھوڑنے جائیں گے۔ آج آپ ہمارے مہمان ہیں۔‘‘ چھوٹا سا کارٹن جو ہم نے خریدا تھا۔ جلدی سے گاڑی میں رکھا اور اس خاتون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم اس کے شوہر کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ہما ہوٹل دوکان سے

زیادہ دور نہ تھا۔ چند منٹوں میں ہی اس نے ہمیں پہنچا دیا' بلکہ اندر جا کر ویٹر کو بلا کر سامان بھی گاڑی سے نکلوا دیا۔ میں حیرانگی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی یہ قوم کتنی با اخلاق ہے۔

ہما ہوٹل کی بالائی منزل پر ایرانی ایئر لائن نے ہمارے اعزاز میں عشائیہ دیا ہوا تھا ہوٹل کی چھت پر یہ بندوبست کیا گیا تھا۔ ناہید اپنے کمرے میں پیکنگ کرنے میں مصروف تھی اور ہم لوگ تھکے ٹوٹے بازار سے واپس آئے ہی تھے کہ کھانے کے لیے ہمیں بلایا گیا تھا۔

کھانے سے پہلے تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا اور ایرانی ایئر لائن کے مینجنگ ڈائریکٹر نے بڑی شستہ فارسی میں تقریر کی جس کا ساتھ ساتھ ترجمہ ایک مترجم انگریزی میں کر رہا تھا۔ اس کے بعد جوابی تقریر ہمارے پی آئی اے کے ڈائریکٹر مستجاب حیدر نے کی۔ اس کے بعد کھانے کا دور شروع ہو گیا۔

کھانا پیش کیا جا رہا تھا کہ ایک خاتون اچھی شکل وصورت کی ہی نہیں تھی بلکہ کافی سمارٹ کہہ سکتے ہیں' میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اس کو پاکستانی بہت اچھے لگتے تھے کیونکہ اس خاتون کا شوہر بھی پاکستانی تھا۔ ہماری گفتگو انگریزی زبان میں ہو رہی تھی اس نے بتایا کہ میں ایرانی ایئر لائن کے سٹیشن منیجر کی اہلیہ ہوں۔ میں نے اس کی جانب غور سے دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھی۔

لباس خالصتاً ایرانی طرز کا پہنا ہوا تھا۔

''مجھے تو پاکستانی لباس بہت پسند ہیں۔''

''تو پہنا کریں نا۔''

میرے شوہر جب بھی پاکستان جاتے ہیں میرے لیے پاکستانی لباس لے کر آتے ہیں۔ جن کو میں اپنے گھر میں ہی پہنتی ہوں۔'' اس کے برابر میں ایک اور ایرانی خاتون میری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''خوبصورت لباس گھر ہی پہنا جاتا ہے۔ باہر عمدہ لباس نہیں پہن سکتے اور پھر اس برقعہ نما جبہ میں لباس کیا نظر آئے گا۔ جی تو کرتا ہے چوڑیاں پہنوں' ڈھیر ساری جیولری مختلف رنگوں کی' نئے نئے سوٹوں کے ستھ پہنوں۔''

''آپ کا شوق بجا ہے۔ عورت کا دوسرا نام ہار سنگار بھی ہے۔ ٹھیک ہے کہ عورتیں موڈرن ہو گئی ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کچھ پہنیں ہی نا۔''

''امی تو ایک طرف میری نانی اتنی فیشن ایبل تھیں' وہ اپنے لباس ایران سے نہیں سلواتی تھیں بلکہ وہ پیرس کے سلے کپڑے پہنتی تھیں۔ نانی کی سہیلیاں بھی بہت آزاد خیال تھیں۔ مگر نہ جانے ہمارے زمانے میں اتنی پابندی کیوں لگ گئی ہے ہم کچھ پہن اوڑھ نہیں سکتے۔ لیکن میں نے سوچ لیا ہے کہ پاکستان جا کر نئے فیشن کے خوب لباس بنواؤں گی اور پہنوں گی۔''

وہ مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ حسن آرا' فرخندہ' میمونہ' نصرت سب اس کی باتوں کو غور سے سن رہی تھیں۔ ہم جس میز پر بیٹھے تھے وہاں پر عورتوں ہی کی حکومت تھی۔ میں نے اس کی باتوں کا جواب دینا چاہا تو میری نظر سامنے چاروں طرف سے لگے شیشوں پر پڑ گئی۔ پورے شہر کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس وقت کا منظر بے حد دلفریب لگ رہا تھا۔ بالکل وہ شہر پیرس ہی کی طرح لگ رہا تھا۔ سچ ہی تو کہہ رہی ہے۔ اب میں کیا جواب دیتی خاموشی سے ہم نے کھانا شروع کر دیا۔ ایرانی ایئر لائن کے سٹیشن منیجر کی اہلیہ مطمئن سی بیٹھی تھیں۔ ان کے لبوں پر کوئی شکوہ نہیں تھا۔

بہت ہی عمدہ سوپ پیش کیا گیا۔ میزوں پر پھول سجے ہوئے تھے ایرانی اور پاکستانی خوش گپیوں میں مشغول تھے اور ساتھ ساتھ کھانا بھی کھا رہے تھے۔ بہت سی چیزوں کے ساتھ انہوں نے چلوں کباب بھی رکھ دیے۔

''یہ چلوں کباب شاید آپ لوگ شوق سے کھاتے ہیں۔''

ایرانی خاتون نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

سادے چاولوں کے ساتھ ہمیں بے حد پسند ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا'' کہ ہمارے گھر چلوں کباب نہ بنیں۔''

''تمہارے میاں بھی یہی کھانا کھاتے ہیں۔''

''وہ پاکستانی کھانا بھی کھا لیتے ہیں۔ اب تو پاکستانی کھانا مجھے بھی پسند آنے لگا ہے۔''

خواتین کی دو تین ٹولیاں بنی ہوئی تھیں۔ صبیحہ بیگم اور مسز ممتاز بھی ان سب میں باتوں میں مشغول تھیں۔ ناہید بڑی ہی نازک اندام تھی۔ پیکنگ کرنے کے بعد وہ اپنے بستر پر دراز ہو گئی تھی۔ بے چاری شاید تھک گئی تھی۔ مگر کرنسی ابھی تک اس کے پرس میں بچی پڑی تھی صبح کے وقت ہماری روانگی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ کسی طرح سے ان روپوں کو بھی خرچ کیا جائے۔ وہ ہوٹل کی دوکان پر جا کر کچھ کام کئے لکڑی کے فریم بھی خرید چکی تھی۔ فریم خریدنے کے بعد کرنسی پھر بھی بچ گئی تھی۔ تو وہ پریشان سی نظر آنے لگی۔

عشایے کے دوران تصاویر کھینچی جا رہی تھیں۔ ہر کوئی ان لوگوں کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ کل ہماری روانگی تھی یوں لگتا تھا یہاں آئے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔

سونے کے لیے جب میں اپنے کمرے میں آئی تو مجھے خیال ہوا کہ میرا کارٹن تو کھلا پڑا ہے۔ کیوں نہ کوئی رسی منگوالی جائے اور ابھی سے باندھا جائے یہ سوچتے ہوئے میں نے ریسپشن پر فون کیا اور رسی کا مطالبہ کیا۔ وہ ٹھہرے ایرانی' زبان ان کی فارسی خیر انگریزی کا سہارا لے کر ان سے بات چیت کی۔ میں انتظار ہی کرتی رہی مگر کوئی بھی رسی دینے نہ آیا۔ دوبارہ فون کیا اور اصرار کرتے ہوئے درخواست کی کہ صبح نو بجے ہم نے ایئرپورٹ چلے جانا ہے۔ خدا کے لیے کوئی رسی بھیج دیں۔ مگر سنائی نہ ہوئی پھر فون کیا تو بیرے نے دستک دی میں نے اسے اندر آنے کے لیے کہا تو وہ آدھا گز کا ٹکڑا نائلین کی رسی کا لے آیا۔

''یہ اتنی تھوڑی ہے۔'' میں نے حیرت میں پڑتے ہوئے کہا۔

''بس میڈم یہی ہے۔''

اتنا بڑا ہوٹل اور آدھے گز کا ٹکڑا میرا منہ چڑا رہا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نیچے ریسپشن تک گئی اور اپنا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے میری بات غور سے سنی اور کہا۔ آپ اوپر جائیں ہم سٹور میں سے رسی ڈھونڈتے ہیں۔

میں اوپر آ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اگر رسی نہ ملی تو سامان کھلا ہی رہ جائے گا۔ سامنے بستر پر نظر پڑی تو میاں صاحب آرام سے خواب استراحت کے مزے لے رہے تھے۔

''اتنی چین کی نیند سو رہے ہیں کمال ہے ذرا بھر فکر نہیں کہ صبح ہم نے چلے جانا ہے۔''

''بھئی اٹھیں۔''

''میں نے ان کو جھنجھوڑا۔''

''کیا بات ہے۔'' وہ نیند میں ہی بولے۔

''رسی نہیں مل رہی۔''

''تو پھر میں کیا کروں۔''

سامان کھلا ہی رہ جائے گا۔ خدا کے لیے نیچے جائیں اور کوئی بندوبست کریں۔''

''اچھا ہے سامان کھلا ہی رہے تو۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا۔''

''ویسے بھی لے جانا کوئی آسان کام نہیں۔ یہاں ہوٹل ہی کسی کو دے دیں گے۔''

واہ اتنی مشکلوں سے صراحیاں لی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ایران کی خاص سوغات ہے۔''

''بھئی مجھے تو سخت نیند آ رہی ہے۔ اگر بندوبست ہو گیا تو ٹھیک ہے نہ ہو سکا تو اس بے چارے ویٹر کو دے جائیں گے۔ اس نے میری خدمت بھی خوب کی ہے۔ جو کام بتلایا بھاگ بھاگ کر کیا۔ اس کو میں ٹپ دے چکی ہوں پھر غصے سے کہا۔ کیا ویٹر کو دینے کے لیے خریدی تھیں؟''

''مجھے تنگ نہ کرو۔۔۔۔۔۔۔ شاباش سو جاؤ۔'' ریاض چند لمحوں میں ہی سو گئے جو ادھورا خواب چھوڑا تھا اس کی کڑی کے ساتھ کڑی ملاتے ہوئے نیند میں پھر خواب دیکھنے لگے۔

میں نے سونے کی ناکام کوشش کی۔۔۔۔۔۔۔ سامنے کھلا کارٹن میرا مجھے بے آرام کر رہا تھا۔ اب کیا کروں میں نے بے بسی سے سوچا اور اپنے میاں پر غصہ بھی آیا جو مزے سے خراٹے لینے لگے تھے۔

''خدایا۔''

میں پریشان ہو چکی تھی۔ پھر مجھے ایک دم ان ایرانی لوگوں پر غصہ آیا کہ کوئی بھی پاکستانی یا انگریزی زبان ٹھیک سے سن نہیں پاتا۔ میں نے ریسپشن پر فون کر کے کہہ دیا کہ مجھے چھ بجے جگایا جائے۔۔۔۔۔۔۔ یہ کہتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے مطمئن ہو گئی تھی اور سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ دیر تک جاگتی رہی نہ جانے کس پہر آنکھ کھل گئی تو دیکھا چھ بجے تھے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ ہم جاگ گئے ہیں۔

ایک بار پھر ہمت کر کے شوہر کو جھنجھوڑا۔ ''خدا کے لیے اٹھو اور رسی کا بندوبست کرو۔۔۔۔۔۔۔ چیزیں کھلی پڑی ہیں۔'' کمال ہے رات کو بھی سونے نہیں دیا اور اب صبح ہی صبح اٹھا دیا ہے۔ رسی پانچ منٹ میں مل جائے گی۔ دو منٹ میں پیکنگ ہو جائے گی۔ فکر کی کوئی بات نہیں مجھے آٹھ بجے جگا دینا اور وہ پھر سو گئے۔

میں نے نہا کر لباس بدلا اور تیار ہو کر نیچے آ گئی۔

ابھی لفٹ سے اتری ہی تھی کہ ایک منتظم خاتون پر میری نظر پڑی میں نے اس کو بلایا اور انگریزی میں بات کرتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔ اس نے ویٹر کو رسی لانے کو کہی اور وہ تھوڑی دیر کے لیے میری پریشانی دیکھ کر مسکرائی اور مجھے مطمئن کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ پریشان نہ ہوں میں انگریزی زبان اچھی طرح سمجھ لیتی ہوں کیونکہ میرا امریکہ سے تعلق ہے۔ بس نوکری کے سلسلے میں یہاں آنا پڑا۔''

''تو کیا آپ امریکن ہیں۔''

''جی۔۔۔۔۔۔مگر شوہر ایرانی ہے۔ پہلے وہ اس ہوٹل میں کام کیا کرتا تھا۔اس کی وفات کے بعد میں نے یہ کام سنبھال لیا ہے۔میرے دو بیٹے ابھی تک امریکہ میں زیر تعلیم ہیں۔اس خاتون نے بھی جبہ پہنا اور سر پر سکارف کس کر باندھا ہوا تھا۔ایک بال بھی تو نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں ابھی چند منٹ ہی وہاں کھڑی ہوئی تھی کہ اس نے سیٹر کو آتے دیکھ کر کہا۔''صرف رسی ہی نہیں چاہیے بلکہ پیکنگ بھی کرو۔''میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ویٹر کے ساتھ اوپر آ گئی۔میاں صاحب حسب معمول سو رہے تھے۔میں نے چپ چاپ اس ویٹر سے پیکنگ کروالی۔ بیرے کے جاتے ہی میں نے ایک بار پھر جھنجھوڑا۔''اب تو اٹھ جاؤ' اٹھ بج گئے ہیں۔'' ریاض آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ گئے سامنے کارٹن بدھا پڑا تھا۔

''اچھا تو یہ پیک ہو چکا ہے۔''میں تو پہلے ہی کہتا تھا تم تو ہر بات میں فکر مند ہو جاتی ہو۔ چند منٹوں کا کام تھا۔معمولی معمولی باتوں کو بھی سر پر چڑھا لیتی ہو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بے نیازی سے غسل خانے میں چلے گئے اور میں حیران سی ان کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی ''اگر ان پر رہتی تو ہو چکی تھی پیکنگ۔''

روانگی کے لیے بسوں نے ہمیں تہران کے ہوائی اڈے پر اتار دیا۔ایئرپورٹ کے باہر ایک بوڑھا شخص ہمارا منتظر تھا۔بس کے رکتے ہی اس نے مرد حضرات سے ہاتھ ملایا اور خواتین کو سلام کیا۔ہم سب حیران ہو رہے تھے کہ یہ کون ہے۔اس نے میرے میاں کو بتایا کہ ''میں پاکستانی ہوں اور گذشتہ کئی سالوں سے مشہد میں قیام پذیر ہوں۔ پاکستان کی محبت میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔پھر دبے دبے الفاظ میں حکومت پاکستان کا گلہ کیا۔

اس نے میرے شوہر کو یہ بھی بتایا کہ اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حکومت پاکستان مشہد میں ایک قیمتی اراضی کے ٹکڑے کی مالک ہے اور یہ بھی بتایا کہ کئی سالوں سے وہ کوشش کر رہا ہے کہ مشہد میں پاکستانی زائرین کے لیے مسافر خانہ' شفا خانہ اور بہت ساری سہولتیں ان کو میسر کی جائیں۔مگر کئی سولوں کی کوشش بار آور ثابت نہیں ہوئی۔ مرحوم ضیاء الحق کو خط بھی لکھے وزارت خارجہ کو بھی آگاہ کیا محتسب اعلیٰ کو بھی کئی درخواستیں دیں لیکن کوئی شنوائی نہیں ہو سکی۔اس نے تمام پاکستانیوں کو کہا کہ اس کی مدد کی جائے۔تاہم بس سے اترنے والے تمام پاکستانیوں نے وعدہ کیا کہ وہ کچھ نہ کچھ کریں گے۔

اس بوڑھے سے بات چیت کرنے کے بعد اب ہم جہاز میں سفر کرنے کی سوچنے لگے۔ جہاز تک پہنچنا اتنا آسان نہیں تھا پہلے بھی

پل صراط سے گزر چکے تھے۔

مگر دوسری مرتبہ ہمیں پھر پل صراط سے گزرنا تھا۔یعنی کسٹم کے مرحلے میں داخل ہونا تھا۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ یہاں سے گزرنا اتنا آسان نہیں کہ جتنا سمجھ رکھا تھا۔پل صراط۔۔۔۔۔۔پل صراط ہی ہے۔

ہمارے کئی ساتھیوں نے چیزیں کرید کر اس کی خوب پیکنگ کروائی تھی۔مگر کسٹم والوں نے بلا اختیار ایک ایک چیز اور ایک ایک صندوق کھلوانے پر اصرار کیا۔اس دوران میں نے دیکھا کہ پاکستانی سفیر ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ان کا خاص سیکرٹری انور خان بھی ان کے ساتھ تھا۔ان کو دیکھتے ہی سب نے گلہ گزاری کرنی شروع کر دی اور یہ بتایا کہ وقت اور دور اب بدل چکے ہیں۔آپ کی سرزمین پر ڈیڑھ سو کے قریب پاکستانی تہران آئے ہوئے ہیں۔آپ کو ذرا بھر احساس نہ ہوا۔ہم وطنوں کی خیریت ہی معلوم کر لیتے۔سفیر صاحب تھوڑی دیر کے لیے کھسیانے سے ہو گئے تھے۔کوئی صاحب بتا رہے تھے کہ سفیر صاحب درحقیقت پاکستانیوں کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ کسی اور وفد کو چڑھانے کی غرض سے وہاں آئے تھے اور انہیں بے بھاؤ کی سننی پڑیں۔

سفیر صاحب معذرت کر رہے تھے کہ مجھے علم نہیں تھا کہ آپ لوگ پی آئی اے کی وساطت سے تہران آئے ہوئے ہیں۔''

پھر کسی صاحب نے ان کو جواب دیا۔

''کونسل خانے کو ہماری آمد کا علم تھا۔کمال ہے کہ سفیر کو علم نہ ہو۔اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے تو حیرانگی کی بھی کوئی بات نہیں۔کیونکہ عام طور پر ہمارے سفیر بے خبر ہی ہوتے ہیں۔تاہم انور خاں نے جو ان کے سیکرٹری تھے۔۔۔۔۔۔سفارت خانے کی کارکردگی پر پردہ ڈالتے ہوئے چند مسافروں کو کسٹم کے مراحل سے گزرنے کے لیے مدد کی۔

اس واقعے کے بعد سفیر صاحب چلے گئے۔جب انور خان لانج میں آئے تو ڈان اخبار کے حمید ہارون جو کہ ہمارے ساتھ سفر کر رہے تھے۔انہوں نے بڑی خوب صورت بات کی کہ چوالیس سال ہوئے پاکستان بنے ہر قسم کی حکومت اور ہر دشواری جھیلی ہے۔ آپ کی اتنی بڑی غلطی نہیں ہے۔''

کسٹم والوں نے کئی لوگوں کے چھوٹے چھوٹے ایرانی قالین ضبط کر لیے' کیونکہ ان کے تحت ایرانی قالین' سونا' چاندی باہر نہیں لے جایا جا سکتا۔اب یہ عالم دیکھ کر میرے میاں نے مجھ سے کہا۔

''دیکھا تم کتنی گرم ہو جاتی ہو۔ایسی چیزیں یہاں سے خریدنا عذاب مول لینے کے برابر تھا۔اب کسٹم میں کسی قسم کی دشواری تو نہیں ہو گی۔لوگوں کے ساتھ یہ حشر دیکھ کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا سامان دکھلانے کے بعد ایمی گریشن والوں نے میری بچی طلب کی

میں حیرانگی سے ان کا منہ دیکھ رہی تھی۔ گو میرے پاسپورٹ پر چھوٹی بچی کا اندراج موجود تھا مگر ہم تو اس کو ساتھ ہی نہیں لے کر آئے تھے لیکن وہ بضد تھے کہ بچی کو پیش کرو۔ ہم نے ہر چند سر پٹکا کہ "بھئی ہم صرف دو میاں بیوی آئے ہیں اور بچی پاکستان میں ہے۔ مگر انہوں نے ہماری بات نہ مانی۔۔۔۔۔۔اسی دوران انور خان آ گئے اور انہوں نے انہیں سمجھایا کہ بچی واقعی ہی پاکستان میں ہے۔ انور خان کے سمجھانے پر انہوں نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی' ورنہ کوئی بعید نہ تھا کہ ہمیں روک ہی لیا جاتا۔ پھر ایران سے نکلنے کے لیے بچی کو پاکستان سے منگوانا پڑتا۔

ہم تو خیر خیریت سے اس کٹھن مرحلے سے نکل آئے تھے۔ مگر ہمارے چند مسافر ابھی تک زیر عتاب تھے۔ جہاز میں سوار ہونے سے پہلے کتابوں کی دکان جو کے راستے میں ہی پڑتی تھی میرے میاں کتابیں دیکھنے لگے حافظ کا دیوان' عمر خیام کی رباعیات اور قرآن کے نسخے جو شاید پاکستان میں موجود نہیں تھے وہ خرید لیے اور جہاز پر سوار ہونے لگے۔ خدا خدا کر کے پہلا قدم جہاز میں رکھا تو جان میں جان آئی' یوں لگا جیسے کہ اپنے پیارے وطن میں آ گئے ہیں۔